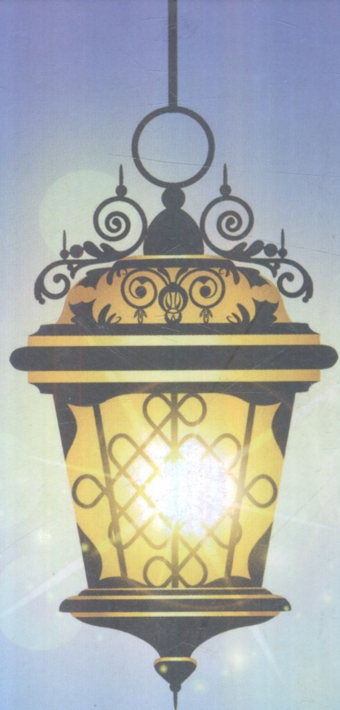
2



رجالِ قرآن

جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

دار السلام
DARUSSALAM

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا



دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

ح مكتبة دارالسلام، ١٤٣٤ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
عميرة، عبدالرحمن
رجال انزل الله فيهم قرانا / عبدالرحمن عميرة - الرياض، ١٤٣٤ هـ
٣ مج. ص: ٢٧٣ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٩-٢٦٣-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٣-٢٦٥-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٢) (النص باللغة الاردية)
١- الصحابة والتابعون ٢- القرآن - اسباب النزول ٣- السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٣٤/١٠٩١٦ رقم الإيداع: ١٤٣٤/١٠٩١٦
ردمك: ٩-٢٦٣-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٣-٢٦٥-٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٢)

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ، پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 001 416 4186619
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 85394885-0044 20 77252246 • دار کی انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم اے ایس برادرز فون: 0091 44 42157847
سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 0092 42 373 240 34,372 400 24,372 32 4 00 فیکس: 042 373 540 72
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈولمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ورید سنٹر: 0092 51 22 815 13

2



رجالِ قرآن

وہ مردانِ حق جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ

اردو قالب: حافظ سیف اللہ الغارِی

دار السلام
DARUSSALAM

بسم الله الرحمن الرحيم

١٤٢٠

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست

عرض ناشر

یہ جون 2012ء کی بات ہے کہ راقم الحروف ریاض کے مشہور اشاعتی ادارے دار اللواء للنشر والتوزیع کے شوروم میں گیا۔ مجھے ایک کتاب کی تلاش تھی جو میرے علم کے مطابق اسی ادارے سے ملتی تھی۔ مطلوبہ کتاب ملی یا نہ ملی یہ مجھے اب یاد نہیں مگر مجھے اس ادارے کی شائع شدہ کتاب "رجال أنزل اللّٰه فيهم قرآنا" نظر آ گئی۔ میں کسی زمانے میں اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھ چکا تھا۔

میں اس بات پر اللہ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلامی تاریخ سے محبت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میری ذاتی لائبریری میں تاریخ سے متعلق بہت ساری کتابیں ہیں۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کی بات کریں تو اس کا کوئی صفحہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر سے خالی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام آتے ہی وہ سنہرا دور آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جب اللہ کے رسول ﷺ کے زیرِ تربیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے اپنی زندگیاں دین پر فدا کر گئے تھے۔ صحابہ کرام نے جس طرح اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اس کے لیے قربانیاں دیں تاریخ ان کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ صحابہ کرام ان اوقات کی تلاش میں رہتے تھے

کہ کب انھیں وقت ملے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو راضی کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض ایسی خوش قسمت شخصیات بھی تھیں کہ جن کے افعال اور اعمال کا تذکرہ اللہ رب العزت کو اتنا پسند آیا کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں کر دیا۔

قرآن کریم بلاشبہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا ملک ہوگا جس میں مسلمان نہ بستے ہوں؟ اور جہاں مسلمان ہوں گے وہاں قرآن ہوگا اور قرآن کریم میں ان صحابہ کرام کا تذکرہ ہوگا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں کیا ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہو رہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، وہ اسے سنیں اور جانیں کہ ان کی زندگیاں کیسی تھیں، ان کے اخلاق و کردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

میں داراللواء سے باہر نکلا تو میرے ہاتھ میں "رِجَالٌ أَنزَلَ اللّٰهُ فِيهِمْ قُرآناً" کا 7 جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ تھا۔ میں نے اسے جستہ جستہ پڑھا۔ یہ تو نہیں کہوں گا کہ تمام جلدیں پڑھیں مگر مجھے اس کتاب کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ لگا۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔

کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے اور ہمارے قارئین کو ان کی بعض باتوں اور بعض واقعات سے اختلاف ہو مگر بہر حال ان واقعات اور صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے درس ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرہ

نے قلم اٹھایا تو اچھے اور برے لوگوں کی قلمی تصویریں کھینچ دیں۔ ذرا ان تصویروں پر نظر ڈالیے کہ صحابہ کرام کی تصاویر اتنی دلربا ہیں کہ انھیں دیکھ کر انسان نیکی کا متوالا بن جاتا ہے۔

یوں تو تمام کفار نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں ملوث رہے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے مگر کتنے ہی کافر اور منافق ایسے بھی تھے کہ جن کا کام ہی یہ تھا کہ وہ ہر وقت اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کرتے رہتے۔ ایسے کافروں اور منافقوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیات نازل کیں۔ فاضل مؤلف نے سلسلۂ کتاب میں ان کافروں اور منافقین کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے کہ انھوں نے کیا اور کیسی سازشیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے کیسے قرآن کریم میں ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

بلاشبہ ان واقعات میں امت مسلمہ کے لیے بطور خاص اور انسانیت کے لیے بالعموم کتنے ہی دروس اور عبرتیں ہیں۔

دارالسلام نے اپنے اصول کے مطابق اس کتاب کے پبلشر دار اللواء کے ساتھ ترجمہ کے حقوق کی بات کی۔ اور ایک خطیر رقم کے عوض ہم اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمے کے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے قارئین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کا یہ نیا اسلوب پسند آئے گا۔ اس ضمن میں وہ قرآن مجید کے بہت سے اسباب نزول سے بھی آگاہ ہوں گے، فہمِ قرآن کے سلسلے میں بھی انھیں مدد ملے گی اور تاریخ کے گمنام گوشوں سے بھی وہ گزریں گے۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ میرے سامنے دارالسلام کی کتب کا انتخاب کرتے وقت زیادہ تر ہماری نوجوان نسل بطور خاص کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات ہوتے ہیں۔ ہم اپنی ان کتب میں ان کے لیے یقیناً بہت سا مواد ایسے سادہ اور دلکش

پیرائے میں پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعات ان کے دلوں میں اتر جائیں اور ان کی کردار سازی میں مدد کریں۔ اور ان کے لیے یہ کتب راہنما اصول بن جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کا تزکیۂ نفس کریں۔ میں کئی مرتبہ سوچتا ہوں کہ کتنی زبردست تربیت اور تزکیۂ نفس تھا کہ ایک شخص صبح اسلام قبول کرتا ہے تو شام تک اس میں اسلامی عقیدہ راسخ ہوجاتا ہے، وہ توحید کا علمبردار اور امن کا داعی بن جاتا ہے، اس کی اخلاقی اور روحانی تربیت فوراً ہوجاتی ہے اور وہ معاشرے کا ایک مثالی فرد بن جاتا ہے۔ اسلام کا سرفروش سپاہی اور مجاہد بن جاتا ہے۔

کتابوں کا یہ سلسلہ خواہ وہ صحابہ کرام سے تعلق رکھتا ہو یا کفار مکہ اور منافقین کے احوال سے متعلق ہو، امت مسلمہ کے لیے راہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے کو اسکولوں، کالجوں اور حلقۂ دروس سے منسلک احباب اور ائمہ مساجد، خطباء، سیاستدان، تاجر، وکلاء، جج، ادباء اور سول سروس کے ملازمین کے علاوہ عام شہری، خواہ مرد ہوں یا معزز خواتین، خوب پسند کریں گے اور اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے فاضل مؤلف، مترجم، ناشر اور دیگر معاونین کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ اس سلسلے کو مقبول عام بنائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محبکم

عبدالمالک مجاہد

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام، الریاض، لاہور

فروری 2013ء

ربیع الاول 1434ھ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْخَلْقِ وَالْمُرْسَلِيْنَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ أَجْمَعِيْنَ.

اما بعد! اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس بات کی توفیق بخشی کہ ہم امتِ مسلمہ کے لیے اپنی کتاب ''رجال انزل الله فيهم قرآنا'' کا دوسرا جز پیش کر رہے ہیں۔ ہماری اس سیریز کے لکھنے کا مقصد اکیسویں صدی کے مسلمانوں کا ان کے رب کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا ہے، اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ کتاب اللہ ہی انسانیت کی روحانی بیماریوں کا موثر ترین علاج ہے۔ یہ قرآن نور اور ہدایت تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ یہ وہ اعلیٰ ترین منہج اور دائمی دستور ہے جو انسانوں کی دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر قسم کی بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مجید بشریت کے لیے اللہ کی طرف سے نازل کردہ ایک بے مثال منہج ہے جسے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنانا لازمی ہے۔

ہمارے اسلاف صحابۂ کرام، تابعین اور ان کے بعد صالحین نے اس کتاب اللہ کو

ہمارے اسلاف صحابۂ کرام، تابعین اور ان کے بعد صالحین نے اس کتاب اللہ کو بطور منہج اختیار کیا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کو جو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں مشرق و مغرب کا ہر انصاف پسند شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید فرقان حمید کو اپنانے سے وہ لوگ قائد و راہنما بنے۔ ایسے راہنما کہ دنیا نے اپنے تمام امور میں ان سے فیض حاصل کیا۔ کلمۂ توحید اور ایمان باللہ کی برکت اور قرآن کو سینے لگانے سے وہ ایسے قائد اور لیڈر بنے کہ بہت بڑی خلقت نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ان کے تابع ہوگئی۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی قائد و معلّم کی حیثیت سے گزاری۔

ان کے بعد جو لوگ آئے وہ بہت ہی برے نائب ثابت ہوئے۔ انھوں نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، چنانچہ انھیں لمبی تاریک راتوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ پیس کر رکھ دینے والے داخلی اور خارجی معرکوں میں الجھ کر رہ گئے، پھر کیا ہوا کہ وہ ہر میدان میں مات کھا گئے۔ سیاسی، حربی اور فکری ہر معرکے میں انھیں منہ کی کھانی پڑی اور آخر میں انھیں بڑی شرم ناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کی فکر اور سوچ نے انھیں ان کے رب کی کتاب اور نبی کی سیرت سے دور کر دیا تھا۔

لیکن اس زمانے میں تاریخی واقعات پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص یہ دیکھ رہا ہے کہ امتِ مسلمہ جسے پے در پے جنگوں نے اور یکے بعد دیگرے شکستوں نے تھکا کر رکھ دیا ہے، کے جاگنے اور بیدار ہونے کا وقت ہے۔

ہم افق پر نصرت و مدد کی خوشخبریاں واضح طور پر دیکھ رہے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایمانی لشکر اپنے کھوئے ہوئے مقام و مجد کی طرف گامزن ہیں۔ ہم مشاہدہ کر رہے

ہیں کہ اللہ رحمٰن کے لشکر حزبِ شیطان کے ساتھ جس نے سرکشی اور بغاوت کے ذریعے سے زمین کو ڈھیر سارے تعفّن سے آلودہ کر رکھا ہے، معرکہ آرا ہونے کے لیے اور فیصلہ کن فتح کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔

یہ فکری بیداری جو پوری امت مسلمہ میں محسوس ہو رہی ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ اب امتِ مسلمہ کے جوان اپنے رب کی کتاب کی طرف لوٹ رہے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے تمام امور میں اسے حَکَم ماننے کے لیے تیار ہیں۔

بے شک تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

اب صبح روشن ہونے ہی والی ہے۔

اس دن ان شاء اللہ مومن اپنے رب کی مدد پا کر خوش ہوں گے۔

د۔ عبدالرحمٰن عمیرہ

پہلی آیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ
مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝﴾

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔"[1]



[1] الکھف 18:28.



نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

بعض مفسرین اور محدثین کا قول ہے کہ یہ آیت چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں:

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
② سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
④ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ملاحظہ کیجیے۔

الدر المنثور: 13/3
تفسير القرطبي: 431/6
تفسير الطبري: 378/11
سنن ابن ماجه، حديث: 4128
تفسير الخازن: 113/2
صحيح مسلم، حديث: 2413
حلية الأولياء: 146/1



سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کنیت

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کا اعلان کیا تو آپ نے اس عظیم دعوت پر لبیک کہا۔ اور آپ مومنین کی اس جماعت میں سے ہیں جن پر قریش نے اپنے ظلم وتشدد کے پہاڑ ڈھائے تھے۔

والد کا نام

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام مسعود بن غافل تھا۔ مالی لحاظ سے نہایت کمزور تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بنوزہرہ کو اپنا حلیف بنا لیا تھا۔

والدہ

آپ کی والدہ کا نام ام عبد بنت عبدِ وَدّ تھا، معزز خواتین میں سے تھیں۔ ان کا تعلق قبیلۂ تمیم بن سعد بن ہزیل سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی ماں ہند بنت عبدالحارث بن زہرہ تھیں۔

بھائی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام عتبہ بن مسعود تھا۔ انھوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت حاصل کی اور اپنے بھائی کے ساتھ پہلے ہجرت حبشہ کی اور پھر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ اور جب فوت ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی وفات پر رونے لگے۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ بھی رو رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواباً عرض کیا: جی ہاں! وہ نسب میں میرے بھائی تھے اور میری معیت میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ مجھے تمام لوگوں سے بڑھ کر ان سے محبت تھی۔ میں ایسے شخص کی وفات پر کیوں نہ روؤں!

حالاتِ زندگی

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی نوعمری ہی میں ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ آپ تھوڑی سی اجرت کے عوض میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہی عمل آپ کی خوش بختی کا باعث بنا اور بہت سے لوگوں سے پہلے آپ کا دل نور اسلام کے لیے کشادہ ہو گیا۔ واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق خاص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس چراگاہ کے پاس سے گزرے جہاں ابن مسعود بکریاں چرایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود سے دریافت کیا:

«يَا غُلَامُ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ لَبَنٍ تَسْقِينَا؟»

”بچے! کیا ہمیں کچھ دودھ پلا سکتے ہو؟“

سیدنا ابن مسعود نے جواب دیا: یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ میں آپ لوگوں کو دودھ نہیں پلا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمھارے پاس ایسی بکری ہے جس سے بکرے نے ابھی تک جفتی نہ کی ہو؟“ عرض کیا: جی ہاں! اور پھر وہ آپ ﷺ کے پاس وہ بکری لے آئے۔ نبی ﷺ نے بکری کو اپنے قابو میں لیا اور اپنے مبارک ہاتھ اس کے تھنوں پر پھیرے اور دعا بھی کی۔ تھن دودھ سے بھر آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس ایک برتن نما پتھر لائے۔ آپ نے اس میں دودھ دوہا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں: میں نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ دودھ پیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے تھن کو حکم دیا: ”سکڑ جا۔“ تو وہ پہلی حالت میں آ گیا، فرماتے ہیں: اس واقعے کے بعد میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: آپ مجھے بھی ایسا کلام سکھایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم سمجھدار بچے ہو۔“ چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے ستر (70) سورتیں سیکھیں۔ وہ سورتیں مجھے ایسی یاد ہوئیں کہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں پناہ لینے سے قبل دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ خود فرماتے ہیں: میں چھٹے نمبر پر مسلمان ہوا۔ ہم چھ کے علاوہ اس وقت اس زمین پر کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔ [2]

ابن الجزری کہتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ [3]

---

[1] الطبقات الكبرىٰ: 3/101. [2] مصنف ابن أبي شيبة: 12/114، حديث:32898. و أسد الغابة: 2/171. [3] غاية النهاية لابن الجزري:1/458.

حقیقت یہ ہے کہ پاکیزہ اور صاف دل (انسان) جب نور ایمان اور حق کے دلائل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تو فوراً انھیں قبول کر لیتے ہیں اور لیت ولعل سے کام نہیں لیتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی حق کا مشاہدہ کرنے کے بعد قبول اسلام میں سبقت حاصل کی اور سردارانِ قریش کے سامنے علی الاعلان اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ جھوٹے معبودوں اور بتوں کا بابانگِ دُہل انکار کیا اور اپنا دل اس ذات باری تعالیٰ کی طرف موڑ لیا جو زمین و آسمان اور موت و حیات کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اپنی بادشاہت میں اکیلا ہے۔ مخلوق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ پاک ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں اونچی آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ آپ ایسے غریب اور درویش انسان تھے کہ مال و دولت آپ کو بہکا نہ سکے، ایسے حلیف اور معاہد تھے کہ اپنے خاندان اور برادری کی طرف داری نہیں کرتے تھے۔ آپ وہ مومن تھے کہ جنھوں نے اسلام کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہی تو اسلام نے انھیں عزت عطا کی اور جس نے صرف اپنے خالق و مالک پر بھروسا کیا تو اس نے انھیں ضائع نہیں کیا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے انسان ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ میں قرآن پاک کو اونچی آواز میں پڑھا۔

عروہ بن زبیر تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! قریش نے ابھی تک قرآن پاک کو اونچی آواز میں نہیں سنا، لہٰذا کون وہ بہادر ہے جو انھیں اونچی آواز میں قرآن حکیم سنائے؟ حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سناؤں گا۔ وہ کہنے لگے: ہمیں ڈر ہے کہ وہ آپ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہو کہ اگر قریشی اس پر پل پڑیں تو اس کے خاندان والے اسے بچا سکیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! تم مجھے جانے دو۔ میرا اللہ میری حفاظت فرمائے گا۔

صبح چاشت کے وقت جب سرداران قریش مقام ابراہیم کے پاس اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے اور بآواز بلند تلاوت کرنے لگے۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ ﴾

''(اللہ) رحمٰن نے۔ قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب سے (چلتے) ہیں۔''[1]

راوی کہتا ہے کہ انھوں نے کچھ دیر تأمل کیا اور پھر کہنے لگے: دیکھو تو، یہ ام عبد کا بیٹا کیا کہہ رہا ہے؟ پھر انھوں نے کہا: یہ محمد (ﷺ) پر نازل ہونے والی کتاب کی تلاوت کر رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ ان کی طرف لپکے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے۔ وہ پڑھتے جا رہے تھے اور کافر برے طریقے سے انھیں پیٹ رہے تھے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے، جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، پڑھا، پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے جبکہ آپ کے چہرہ مبارک پر زخموں کے نشان نمایاں تھے۔ آپ کے ساتھی کہنے لگے: ہم جانتے تھے کہ آپ کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اللہ کے یہ دشمن جتنا اب مجھے کمزور محسوس ہو رہے ہیں پہلے کبھی نہ تھے اور اگر تم چاہو تو کل صبح میں پھر اونچی آواز میں تلاوت کروں گا۔ آپ کے ساتھی کہنے لگے: نہیں، اتنا کافی ہے۔

[1] الرحمٰن 55:1-5.

آپ ان کو سنا چکے ہیں۔

ذرا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس کلمہ پر غور کیجیے! ''اللہ کے یہ دشمن جتنا اب مجھے کمزور محسوس ہورہے ہیں پہلے کبھی نہ تھے۔''

یقیناً جب ایمان دلوں میں جگہ بنا لے تو دنیا کی اہمیت گر جاتی ہے بلکہ وہ بالکل ہی ایک ادنیٰ سی چیز نظر آتی ہے۔ اور جب انسان کا مطمح نظر دنیا اور اس کا ساز و سامان اور مال و جاہ ہو تو دلوں میں بزدلی اور مداہنت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے اور سلف صالحین کے درمیان یہی فرق ہے۔ وہ جب بھی کسی معرکے میں شامل ہوتے تو ان کا مقصد محض نصرت الٰہی کا حصول اور اللہ کی راہ میں شہادت ہوتا تھا۔ وہ لوگ مدد طلب کرتے تھے مگر اپنے لیے نہیں اور نہ ہی اپنی حکومت کے لیے بلکہ اللہ کے دین اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر میں سرداران قریش اور کفر کے سرغنے نہایت کمزور اور ناتواں تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ مجھ سے وہ چیز ہرگز نہیں چھین سکتے جس کی مجھے طمع ہے یا جس کا میں مالک ہوں۔ ان کے پاس صرف دل اور روح تھی۔ چاہے کسی کے پاس کتنی طاقت اور اختیار ہو، وہ یہ دو چیزیں زبردستی حاصل نہیں کر سکتا۔ دلوں کا حقیقی مالک تو وہ ہے جو دلوں کو پھیرنے والا ہے اور اسی نے موت کا ایک وقت مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾

''بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔''[1]

---

[1] آل عمران 3:145.

ارض حبشہ سے واپسی کے بعد جب مومنوں کے اس ہراول دستے پر مشرکین کی اذیتیں اور تکلیفیں اور زیادہ بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ ان مہاجرینِ مدینہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مہاجرین میں سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اور انصار میں سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد نبوی کے قریب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کیے ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص بن گئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے رازدان بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے تکیہ درست کرتے، آپ ﷺ کو مسواک پیش کرتے، اسی طرح نعلین مبارک اور وضو کا پانی بھی حاضر کرتے۔ [1]

طبقات ابن سعد میں علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ غسل فرماتے تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے لیے پردے کا اہتمام کرتے، جب آپ سو جاتے تو بیدار کرتے۔ آپ کو جوتے پہناتے اور جب رسول اللہ ﷺ چلتے تو آپ کی حفاظت کے لیے عصا لے کر آپ کے آگے آگے چلتے۔ اور جب نبی ﷺ کہیں تشریف فرمانا چاہتے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے جوتے مبارک اتارتے اور انھیں اپنے بازوؤں میں داخل کر لیتے اور عصا پکڑا دیتے، پھر جب اللہ کے نبی ﷺ دوبارہ چلنے کا ارادہ فرماتے تو آپ کو جوتے پہناتے اور عصا لے کر آگے چل پڑتے حتی کہ آپ سے پہلے حجرہ مبارک میں داخل ہوتے۔

[1] دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 3761.

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''ابن مسعود! آپ کو عام اجازت ہے کہ آپ جس وقت چاہیں میرے گھر آ سکتے ہیں اور میری باتیں سن سکتے ہیں جب تک کہ میں آپ کو منع نہ کر دوں۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رشک کیا کرتے تھے اور ان کی تمنا ہوا کرتی تھی کہ انھیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا مقام مل پاتا۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ واقعی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا مقام و مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت بھی چلے جایا کرتے جب ہمیں اجازت نہ ہوتی اور وہ اس وقت بھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) حاضر ہوتے جب ہم موجود نہ ہوتے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اپنی اس خوش نصیبی کو جانتے تھے۔ انھوں نے اپنی اس فضیلت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے آپ کو خوب تیار کر لیا اور جو بھی اس معاملے میں سبقت لے جانا چاہتا یا مزاحمت کرتا تو آپ اس سے بڑھ کر خدمت کرتے حتی کہ بعض اوقات آپ غلط بیانی کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتے کہ کہیں کوئی دوسرا خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آگے نہ بڑھ جائے۔

فرماتے ہیں: میں نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ جھوٹ بولا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سواری تیار کرتا تھا۔ ایک دفعہ طائف سے ایک آدمی آیا تو میں نے

[1] الطبقات الکبریٰ: 101/3.

اپنے دل میں کہا: ہو نہ ہو یہ مجھ سے کہیں بہتر سواری تیار کر سکتا ہے، چنانچہ اس نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کو کونسی سواری زیادہ پسند ہے؟ میں نے کہا: طائفی اور مکی۔

تو اس نے وہی سواری تیار کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھ لیا کہ آج ہماری سواری کس نے تیار کی ہے۔ جواب ملا کہ طائف کے باشندے نے انتظام کیا ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: عبداللہ (بن مسعود) سے کہو کہ وہ ہماری سواری تیار کرے، چنانچہ اس طرح میں دوبارہ اس عہدے پر فائز ہو گیا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت بڑے انہماک سے کرتے اور ہر وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس بات کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہوتے۔ ایسے لگتا جیسے وہ نبی ﷺ کے گھرانے کے فرد ہیں۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ہیں، فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی سیرت، عادات و اطوار اور وقار و تمکنت میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے مشابہ تھے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کی سیرت، وقار و سنجیدگی اور وضع میں تمام لوگوں سے بڑھ کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشابہت رکھتے تھے۔ [2]

آپ قرآن پاک کو بڑی خوبصورت آواز میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی تلاوت سن کر دلوں میں خشیت الٰہی اور ایمان بھر جاتا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں۔ میں نے عرض کی: یا

[1] عيون الأخبار: 30/2. [2] صحيح البخاري، حديث: 6097.

رسول اللہ! میں سناؤں!؟ حالانکہ نازل تو آپ پر ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! تم ہی سناؤ۔ میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

''پس کیا حال ہو گا جس وقت ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان (لوگوں) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔''[1]

میں نے آپ کی طرف نظر اٹھائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔[2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ کی بعض ضروریات کے متعلق رات گئے تک بات چیت کرتے رہے، پھر ہم مسجد نبوی کی طرف چل دیے۔ آپ ﷺ میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان میں چل رہے تھے۔ ہم مسجد پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وہیں ٹھہر گئے اور بڑے غور وخوض سے تلاوت سماعت فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے کچوکا مار کر خاموش کر دیا۔ وہ آدمی تلاوت کرتا رہا، پھر اس نے رکوع و سجود کیا، پھر دعا و استغفار میں مشغول ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قاری سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''مانگو! اللہ تعالیٰ تمھیں ضرور دے گا۔'' پھر فرمایا: ''جسے پسند ہو کہ وہ قرآن کو اس طرح تروتازہ پڑھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو وہ ابن ام عبد (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھ لے۔''[3]

---

[1] النساء 41:4. [2] صحيح البخاري، حديث: 4582. [3] حلية الأولياء: 124/1، وسنن ابن ماجه، حديث: 138.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام اور نبوی مدرسے میں علوم قرآن و حدیث حاصل کرنے کے لیے زیر تعلیم تھے اور اس احساس کا ان پر اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے اور دن بھی نوافل کی حالت میں گزار دیتے۔ دنیا جہان کا کوئی کام انھیں اس عمل سے نہ روک پاتا۔ دنیا ان سے جو مطالبہ کرتی وہ اسے بڑی خوشی سے رد کر دیتے۔ وہ ہر وقت اپنے آپ کو دین الٰہی کی نصرت و حمایت کے لیے تیار رکھتے۔ ان کے دل شوق شہادت میں ڈوبے ہوتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق تھے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ﴾

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ تو انھیں دیکھے گا رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زندگی مذکورہ صفات کا مرقع تھی۔ آپ نے اپنی زندگی کتاب الٰہی کی جمع و تدوین کے لیے صرف کر دی۔ آپ کا دل قرآنی تاثیر سے منور تھا۔ آپ مدرسۃ القرآن میں قرآنی تعلیمات پر غور و فکر کرتے۔ آپ فرماتے ہیں:

حامل قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے ممتاز نظر آئے، جب لوگ سو رہے ہوں تو وہ شب بیداری کرے اور دن کو روزہ رکھے جب لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوں۔ جب لوگ خوش ہو رہے ہوں تو وہ اپنے غم کو یاد کرے۔ جب لوگ ہنس بول رہے ہوں تو وہ اپنے گناہ یاد کر کے رو رہا ہو، جب دوسرے لہو ولعب میں مشغول ہوں تو وہ غور و فکر کرتا دکھائی دے اور اسے تقویٰ و خشیت الٰہی اختیار کرنی چاہیے، جب

[1] الفتح 29:48.

لوگ فخر و غرور میں مگن ہوں۔ حامل قرآن کے لیے لازم ہے کہ وہ خوف خدا سے اشکبار ہوجانے والا ہو، اسے بڑا حکیم اور بردبار ہونا چاہیے۔ اسے خاموش طبع اور سنجیدہ نظر آنا چاہیے۔

حامل قرآن کے لیے یہ ہرگز لائق نہیں کہ وہ سنگ دل، واویلا کرنے والا یا فساد پھیلانے والا ہو۔[1]

حافظِ قرآن تو آسمانی ہدایت کا حامل ہوتا ہے، اسے تو راہنما طرز ہونا چاہیے۔ وہ تو اندھیری رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ کے نور کو اٹھانے والا ہوتا ہے، اسے تو پُرنور ہونا چاہیے۔ وہ زمین و آسمان کے خالق کی طرف سے آنے والی رحمت کا محافظ ہوتا ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ رحیم و شفیق ہو۔

یہ وہ چند صفات تھیں جن کے زیور سے ان لوگوں کو ضرور آراستہ ہونا چاہیے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن اور ترتیلِ قرآن کی نعمت سے نوازا ہے۔

غزوۂ بدر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بڑا بہادرانہ کردار ادا کیا اور انھوں نے اللہ کے دشمن ابوجہل کی گردن بھی تن سے جدا کی تھی۔

حق و باطل کا پہلا معرکہ اپنے اختتام کو پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مقتولینِ بدر میں ابوجہل کا لاشا تلاش کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو پالیا۔ ابھی اس کی کچھ سانسیں باقی تھیں کہ میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ اس نے بھی کئی مرتبہ مکہ میں میری گردن دبوچی تھی اور مجھے گھونسے مارے تھے۔ میں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا: او اللہ کے دشمن! اب مانتا ہے کہ اللہ نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا؟ ابوجہل: وہ کیسے؟ کیا تم نے

[1] حلیة الأولیاء: 130/1.

مجھ سے بڑا کوئی سردار قتل بھی کیا ہے؟ مجھے بتاؤ کہ فتح کسے حاصل ہوئی ہے؟

''اللہ اور اس کے رسول کو۔'' میں نے کہا۔

پھر میں نے اس کے سر کو جسم سے علیحدہ کیا، اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آیا اور کہا: یا رسول اللہ! دیکھیے، یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے اللہ وحدہ لاشریک کی قسم! کیا واقعی یہ ابوجہل کا سر ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر میں نے سرِ غرور کو رسول اللہ ﷺ کے مبارک قدموں میں پھینک دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ''الحمد للہ'' کہا۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہ شخصیات ہیں جن کی تربیت خود نبی ﷺ نے کی اور کتاب اللہ کے ذریعے سے انھیں ادب سکھایا۔ آپ نے انھیں قائدین امت اور رہنمائے ملت بنایا اور وہ اتنے قابل بنے کہ جو کام حکومتیں بڑی محنت اور کوشش سے پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہیں وہ انھیں بڑی آسانی سے انجام دیتے۔ معاشرتی تعمیر نو اور سیاسی معاملات کو بڑے احسن انداز سے نپٹاتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے فصیح اللسان اور قوی الحجۃ تھے۔ واضح دلیل اور شاندار پیرائے میں گفتگو کرتے تھے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے بڑا مختصر خطبہ ارشاد فرمایا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انھوں نے آپ ﷺ سے بھی مختصر خطبہ دیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطبہ دینے کے لیے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اتنا وقت نہیں لگایا جتنا آپ ﷺ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 1/277,276.

نے لگایا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی اور کو حکم دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابن ام عبد! تم خطبہ دو۔“ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انھوں نے حمد و ثنا کے بعد کہا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین ہے اور یہ (محمد ﷺ) ہمارے نبی ہیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ہم اس پر راضی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے لیے پسند کیا ہے، والسلام علیکم۔

یہ خطبہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ”ابن ام عبد نے درست اور سچ کہا ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربت وصحبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نہایت اہم امور میں نبی ﷺ کو مشورہ دیتے تو آپ ﷺ اُسے رد نہیں کرتے تھے۔

اسیرانِ بدر کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”تم اس وقت مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہو، لہٰذا ان کافروں میں سے کوئی بھی بغیر فدیے کے واپس نہ جائے۔ ان سے یا تو فدیہ لو یا پھر ان کی گردن مار دو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! سہیل بن بیضا کو رعایت دے دیں۔ میں نے اس کو اسلام کا اچھے لفظوں میں تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ (گویا آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سفارش رد نہیں کی۔)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تک رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ سہیل بن بیضا سے نرمی برتی جائے گی تب تک مجھے اپنے اوپر آسمان سے پتھر برسائے جانے کا خوف لاحق رہا۔ [2]

[1] تذكرة الحفاظ للذهبي: 14/1. [2] تاريخ الطبري: 1357/3.

اے ابن مسعود! تیرے نصیبے کے کیا کہنے! اللہ کے رسول ﷺ نے تیری بات مان لی۔ یقیناً آپ ﷺ کے دل میں تیرا عظیم مرتبہ اور مقام تھا، اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''عمار رضی اللہ عنہ اور ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی سیرت و کردار کو اپنا لو۔''[1]

پھر ارشاد ہوا:

''مجھے اپنی امت کے لیے وہی چیز پسند ہے جو ابن ام عبد کی پسند ہے اور وہ چیز اپنی امت کے لیے ناپسند ہے جسے ابن ام عبد ناپسند کرتے ہیں۔''[2]

اس سے بھی بڑھ کر بلند درجہ جس کا مقابلہ ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔[3]

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ ان کے ایک ہاتھ میں مصحف تھا تو دوسرے ہاتھ میں وہ تلوار تھی جو صرف اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے، کلمۂ توحید کی سربلندی کے لیے اور دین الٰہی کی نصرت کے لیے اپنی میان سے باہر آئی تھی۔

فی سبیل اللہ نکلنے والے ان لشکروں اور معرکوں کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کیا موقف تھا یا ان کا اس عرصے میں کیا کردار تھا؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انھیں کوفہ منتقل ہونے کا حکم دیا۔ ان دنوں کوفہ فتنہ و فساد کا گڑھ بن چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری امت کو تعلیم و تربیت دینا تھی۔ اس کے لیے انھوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو ماٴخذ بنایا۔

---

[1] السلسلة الصحيحة، حديث: 1233. [2] الاستيعاب: 371/1، والمستدرك للحاكم: 359/3، ومسند البزار: 314/1. [3] الاستيعاب: 302/1.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام اپنے خط میں لکھا:

''میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تمھارا امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمھارا معلّم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہونہار اور اہلِ بدر میں سے ہیں۔ تم ان دونوں کی اقتدا کرو اور ان کی ہر بات کو دل و جان سے قبول کرو۔ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمھاری طرف بھیج کر تمھیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔''[1]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کافی عرصہ کوفہ میں رہے۔ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے، انھیں تعلیم دیتے اور بیت المال کے نگران بھی رہے۔ آپ کے زمانے میں درج ذیل چھ حضرات کوفے کے امیر مقرر ہوئے۔

1. سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ: آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں امیر رہے۔
2. سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایک سال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں امیر رہے۔
3. سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
4. سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ۔
5. سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ۔
6. سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان حضرات کے ساتھ ہمیشہ تعاون کرتے رہے۔ آپ انھیں اسلامی طرز حکومت سے آگاہ کرتے۔ آپ ان کے مقام و مرتبہ کو جانتے تھے اور

[1] أسد الغابة: 3/259.

وہ بھی آپ کی عزت واحترام سے آگاہ تھے۔ جب بھی ان کی طرف سے کوئی ایسا فعل صادر ہوتا جو حکومت کو نقصان پہنچاتا یا وہ شرعی لحاظ سے درست نہ ہوتا تو آپ فوراً ان کا مواخذہ کرتے اور انھیں تنبیہ کرتے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی بات میں اختلاف ہوا اور معاملہ خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے پر قائم رکھا اور ان دونوں کو کوفہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔

اجل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی بات غور سے سنتے اور آپ کی رائے کو سراہتے۔ آپ جنت کی خوشخبری پانے والے خوش نصیبوں میں سے ہیں۔ آپ کا ایک قدم اللہ کے میزان میں احد پہاڑ سے بھی بھاری ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ درخت سے مسواک توڑ کر لائیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی باریک باریک پنڈلیاں دیکھیں تو بے اختیار ہنس پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمھیں کس چیز پر ہنسی آ رہی ہے؟ قیامت کے دن عبداللہ کی ٹانگ میزان میں احد پہاڑ سے بھی بھاری ہوگی۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے خوش الحان قاری قرآن تھے۔ آپ قرآن ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی اسلام اور دعوت اسلام کے لیے

[1] الاستیعاب: 989/3، و مسند أحمد: 114/1.

وقف کر دی۔ یقیناً اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت عطا کر دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ ﴾

"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے۔ ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ تمھاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمھارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمھارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور و رحیم (اللہ) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔ اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔"[1]

بعض اہل کوفہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ملاقات کے لیے گئے۔ انھوں نے ہمیں عطیات سے نوازا اور اہل شام کو ہم سے زیادہ عطا کیا۔ ہم نے گزارش کی: اے امیر المومنین! آپ نے اہل شام کو ہم سے زیادہ دے کر انھیں ہم پر فضیلت دی ہے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل کوفہ! کیا تمھیں اس بات پر

[1] حٰمٓ السجدة 41:30-33.

رنج ہوا ہے کہ میں نے اہل شام کو ان کی زیادہ مشقت اور مسافت کی بنا پر تم پہ فضیلت دی ہے، حالانکہ میں نے ابن ام عبد (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) کو تمھاری طرف بھیج کر تمھیں ترجیح دی ہے۔

گویا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں اپنا یہ احسان یاد دلا رہے ہیں کہ انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیج کر اہل کوفہ کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس عظیم شخصیت کے مقام و مرتبہ سے واقف تھے اور انھیں وہ عظیم ذمہ داری سونپی جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیات ہی سر انجام دے سکتی ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشخاص کی قدر و منزلت سے خوب آگاہ تھے اور جو بات آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمائی اسی طرح کے تاثرات ہر وہ شخص بیان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جسے تھوڑا بہت آپ کی شخصیت کا ادراک ہوتا ہے۔

چنانچہ حبہ بن جوین کہتے ہیں:

ایک دفعہ ہم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال کا تذکرہ کیا تو پوری قوم نے آپ کے بارے میں تعریفی کلمات کہے، پھر انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہم نے حسن اخلاق، اچھی تعلیم، اچھی مجلس، تقوے اور ورع کے لحاظ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا یہ بات تم اپنے دل سے کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے کہا:

اے اللہ! میں تمھیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں بھی ان کے بارے میں وہی کچھ کہتا ہوں جو ان لوگوں نے کہا ہے یا اس سے بھی بڑھیا کلمات کہتا ہوں۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بہت جلیل القدر عالم اور فقیہ ہیں، انھوں نے لوگوں پر پابندی لگائی کہ جب تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں تم کسی اور سے کوئی فتویٰ نہیں پوچھو گے۔

یہ پابندی انھوں نے اس بنا پر لگائی کہ جن دنوں وہ کوفے کے امیر تھے ان سے کسی نے مسئلہ پوچھا: جو شخص اللہ کے راستے میں آگے بڑھتے ہوئے شہید ہو جائے تو اس کا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ نے جواب دیا: وہ جنتی ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سائل سے فرمایا: امیرِ محترم کے سامنے سوال دوبارہ دہرایے، شاید وہ سمجھے نہیں ہیں۔

سائل نے دوبارہ عرض کی: اے امیر محترم! میں نے پوچھا ہے کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو فی سبیل اللہ لڑتے ہوئے مارا جائے جبکہ وہ آگے بڑھنے والا ہو، پیٹھ نہ دکھانے والا ہو؟ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: جناب! آپ اپنا مسئلہ ایک مرتبہ پھر وضاحت سے پوچھیے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو سوال کا مضمون سمجھ نہیں آیا۔ اس نے تیسری مرتبہ سوال دہرایا۔ آپ نے پھر بھی وہی جواب دیا اور کہا: مجھے تو اتنا ہی علم ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میرا یہ جواب نہیں ہے۔

''تو آپ کیا فرماتے ہیں؟'' ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 110/3.

آپ نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہوا مارا جائے اور پھر وہ حق کو پالے تو وہ جنت میں جائے گا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: آپ نے بالکل صحیح کہا۔ لوگو! آج کے بعد جب تک تم میں یہ رہبر اعظم موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھنا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علم و عرفان کے عظیم داعی تھے کیونکہ اسلام نے علم و حکمت کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے اور یہ علم اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اہل علم پر اپنے اس احسان کا تذکرہ کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ﴾

"بے شک اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ہر عام و خاص کو مخاطب کر کے فرمایا: علم کے اٹھ جانے سے پہلے علم حاصل کر لو۔ اہل علم کا ختم ہونا ہی علم کا اٹھ جانا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اسے علم کی ضرورت پڑ جائے۔ عنقریب تمھارا ایسی قوم سے واسطہ پڑنے والا ہے جن کا دعویٰ ہو گا کہ وہ تمھیں کتاب اللہ کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ انھوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہو گا، پس تم ضرور علم حاصل کرو اور جلد بازی اور مبالغہ آرائی سے بچو۔" [3]

آپ ایک ایسے ماہر داعی تھے کہ انسان کی طبیعت اور فطرت سے آگاہ تھے۔ ایک نفسانی عالم تھے جو نفوس مریضہ کی بیماری کی تشخیص کرنے کے بعد بڑی عمدہ دوائی تجویز کرتے

[1] قوت القلوب: 21/2. [2] فاطر 28:35. [3] تذكرة الحفاظ: 15/1.

تھے۔ آپ نافرمانوں کو ترغیب دیتے کہ وہ اپنی خرافات سے باہر آئیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص دل سے توبہ کریں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے تھے:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾

”فرما دیجیے: اے وہ لوگو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا۔“ [1]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

جب تم اپنے کسی بھائی کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھو تو شیطان کی معاونت کرتے ہوئے یہ نہ کہو: اے اللہ! اسے رسوا کر، اس پر لعنت بھیج۔ بلکہ تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی شخص کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہتے تھے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ وہ کس حالت میں فوت ہوا ہے۔ اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا تو ہم جان لیتے کہ اس نے بھلائی پالی ہے اور اگر اس کا خاتمہ اچھا نہ ہوتا تو ہم خاموش رہتے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں 32ھ میں فوت ہوئے اور انھیں بقیع الغرقد میں سپرد خاک کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ

[1] الزمر 53:39.



اسباب نزول

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝﴾

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔"[1]

ہم چھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یعنی میرے بارے میں، عبداللہ بن مسعود، صہیب، عمار، مقداد اور بلال رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا: ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ ہم ان (غریب و نادار) لوگوں کے پیچھے چلنے والے بنیں۔ آپ انھیں

[1] الکہف 18:28.

اپنے پاس سے بھگا دیں (تب ہم آپ کی بات سنیں گے)۔

یہ بات سن کر نبی ﷺ کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ ہٹائیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ خاص اسی کی رضا مندی چاہتے ہیں۔''[1]

سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''یہ (مذکورہ) آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہم کمزور لوگ صبح و شام رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔ ہم قرآن سیکھتے اور ہر قسم کی بھلائی حاصل کرتے۔ آپ ﷺ ہمیں جنت کی نعمتوں اور جہنم کی ہولناکیوں کے بارے میں بتاتے۔ موت و حیات کا فلسفہ سمجھاتے رہتے تھے اور اسی طرح ہمارے نفع کی چیزیں ہمیں بتاتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن فزاری اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم اپنی قوم کے سرکردہ لوگ ہیں اور ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ ہماری قوم ہمیں ان کے ساتھ مل بیٹھا دیکھے۔ آپ انھیں اپنی مجلس سے دور کر دیں، تب ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' وہ کہنے لگے: اس کے بارے میں ہمارے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ لکھا جانا چاہیے، پھر جب قلم اور دوات لائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرما دیں۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2413. الأنعام 52:6.

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ ﴾

"اور ان لوگوں کو (اپنے سے) دور نہ ہٹائیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کی رضا مندی چاہتے ہیں۔ ان کے حساب سے آپ کے ذمہ کچھ نہیں اور نہ آپ کے حساب سے کچھ ان کے ذمہ ہے۔ سو اگر آپ انھیں اپنے سے دور ہٹائیں گے تو آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ہم نے اسی طرح بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ تاکہ وہ انھیں دیکھ کر کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (ہاں) کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا۔" [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے جاں نثار سیدنا خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ اتنے میں قریش کی جماعت آپ کے پاس سے گزری۔ وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا تو انھی پر راضی ہو گیا ہے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ان لوگوں کے پیروکار بنیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ﴾

[1] الأنعام 53,52:6.

ربیع بن انس بکری سے مروی ہے کہ کچھ لوگ سب سے پہلے آ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان میں بلال، عمار، ابن مسعود، صہیب اور سلمان رضی اللہ عنہم کے نام سرفہرست ہیں۔ سردارانِ مکہ آتے تو انھیں پیچھے جگہ ملتی، وہ کہتے: صہیب رومی، سلمان فارسی اور بلال حبشی تو آپ ﷺ کے مقرب ہیں اور ہمیں کہیں دور جگہ ملتی ہے۔ یہ بات انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی رکھی، کہنے لگے: ہم آپ کی قوم کے سردار اور اشراف (چوہدری) ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ ہمیں آگے کریں؟ نبی ﷺ نے ایسا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ [1]

عکرمہ کہتے ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل یہ کفر کے سرغنے ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اگر آپ کا بھتیجا محمد (ﷺ) ہمارے موالی اور غلاموں کو اپنی مجلس سے اٹھا دے تو یہ ایک اچھی پیش رفت ہو گی اور ممکن ہے کہ ہم اس کی بات مان لیں اور اس کی تصدیق کریں۔

چنانچہ ابو طالب نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان کی بات گوش گزار کی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ ایسا کر کے دیکھ لیں تا کہ پتا تو چلے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور اپنی بات میں کہاں تک سچے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے معذرت کر لی۔ [2]

---

[1] أسباب النزول: 208/1، والدر المنثور: 13/3. [2] تفسير الطبري: 379/11، والخازن: 113,112/2.



ضمیمہ

کتاب اللہ کو پڑھنا اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر انھی کو ہے جو اس کا ذائقہ چکھتے ہیں۔ یہی وہ نعمت ہے جس سے عمر میں اضافہ اور برکت ہوتی ہے اور یہی انسان کا تزکیہ کرتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انھی شخصیات میں سے ایک ہیں جنھوں نے مدرسۃ القرآن سے تعلیم پائی اور اس کے پاک صاف و جاری چشموں سے اپنی پیاس بجھائی اور اسے حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کا منہج بنایا، چنانچہ انھوں نے اس کی مدد سے دنیا کو مہذب بنایا اور انسان کے لیے جو بات فائدہ مند تھی، دنیوی اور اخروی لحاظ سے، اسے اپنایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے اور مومنین کی اس جماعت کے بارے میں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سیکھتے اور جب تک ہم ان آیات پر اللہ کے حکم کے مطابق عمل نہ کر لیتے اس وقت تک اگلی آیات نہ سیکھتے۔''

گویا درس قرآن کوئی ایسی چیز نہیں جسے یاد نہ کیا جا سکے یا جسے سمجھنا مشکل ہو۔ یہ

قرآن تو تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے ایک فعلی اور عملی تطبیق ہے۔

قرآن پاک انسان کو اس بات کا سبق دیتا ہے کہ اس کائنات میں تمام چیزیں ایک حساب اور اندازے کے اندر رکھ کر بنائی گئی ہیں اور یہ تمام چیزیں اتفاقات نہیں ہیں بلکہ انھیں وجود میں لانے والی ایک ذات ہے جو اس نظام کائنات کو کنٹرول کیے ہوئے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝﴾

''اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝﴾

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔''[2]

انسان اس کتاب ہدایت سے یہ سبق بھی حاصل کرتا ہے کہ اس کائنات میں موجود چھوٹی اور بڑی تمام چیزوں کی ایک حکمت ہے اور انھیں ضرور کسی مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تاہم انسان کی قاصر نگاہ عالم غیب کی حکمت تک پہنچنے سے عاری رہتی ہے اور اس کی محدود عقل جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کائنات کو نظام خلافت کے ذریعے سے آباد کرے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝﴾

''بہت قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ (تمھارے لیے) اس میں

[1] الفرقان 25:2. [2] القمر 54:49.

بہت بھلائی رکھ دے۔“[1]

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

”اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور دراصل وہی تمھارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو حالانکہ وہ تمھارے لیے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔“[2]

اسلام کے ہراول دستے نے اپنے آپ کو قرآن کے ہر ایک حکم کا پابند کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں اسلامی انقلاب لائے اور انھیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس دور کے لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہماری اس بات کی تصدیق کرے گا۔

اسلام سے قبل ان لوگوں کے شہر قحط زدہ تھے۔ زمینیں کم اور غیر آباد تھیں اور انھیں روزی کے لیے ان تھک محنت کرنا پڑتی تھی لیکن جب انھوں نے اس قرآن کو سینے سے لگایا تو حالات یکسر بدل گئے۔ دنیا نے اپنے دروازے ان کے لیے وا کر دیے، ان کی زمینیں آباد ہوئیں اور جہاد و فتوحات کے ذریعے سے وہ بہت وسیع اراضی کے مالک بنے۔ انھیں مال و دولت اتنی وافر مقدار میں حاصل ہوا کہ ان کے محلات بغداد، قاہرہ اور قیروان میں نمایاں نظر آنے لگے حتی کہ قیصر و کسریٰ کے اونچے اونچے قلعے بھی ان کے محلات کے سامنے شرمانے لگے۔

---

[1] النسآء 19:4. [2] البقرة 216:2.

وہ لوگ مختلف قبائل کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی کوئی منظم جماعت تھی، نہ کوئی قیادت اور نہ ہی وہ کسی سلطان یا بادشاہ کے ماتحت تھے۔ ان کا کام شب خون مارنا تھا۔ وہ قبیلے کے شاہسوار کی عدم موجودگی میں یا قبیلے کے شاہسواروں اور سرفروشوں کی قلت کی بنا پر اس پر حملہ کرتے اور پورا قبیلہ لوٹ لیتے۔

لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد یہی لوگ اپنی قوم کے سردار اور قائدین بنے۔ وہ اپنے رعب ہی سے دشمن کو شکست دے دیتے۔ اور محض ایک الٹی میٹم دینے پر کئی کئی ملک اور قلعے ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے۔ اور پھر یوں ہوا کہ ان کے کامیاب لشکر شہروں کے شہر فتح کرتے ہوئے سمندر کے کنارے پر جا پہنچے۔ اس سے بھی بڑھ کر اگر انھیں معلوم ہوتا کہ سمندر پار ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ کے پسندیدہ دین کو اپنا دین مانتے ہیں تو وہ سمندر کے پانی اور اس کی طوفانی موجوں کو بھی عبور کرنے پر تیار ہو جاتے۔

کافی لمبا عرصہ یہی کیفیت برقرار رہی حتی کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور کتاب ہدایت کو چھوڑا تو وہ بہت جلد اسی حالت میں لوٹ آئے جس میں وہ اسلام سے قبل تھے۔ پھر اسی طرح مختلف قبائل میں تقسیم ہو گئے جنھیں ممالک کا نام دے دیا گیا۔ باہمی سازشیں اور دشمنوں کی چالیں انھیں کمزور سے کمزور تر کرنے لگیں۔ زمین ان کے قدموں سے سرکنا شروع ہو گئی، جنگ و فساد کے ذریعے سے یا پھر فکری لڑائی کی بنا پر۔

ان کے دوست اور دشمن سبھی ان سے بیزار ہو گئے۔ ان پر حملے ہوتے لیکن وہ حملوں کا دفاع نہ کر پاتے۔ ان سے ان کے شہر چھین لیے جاتے لیکن کوئی شخص ان کی

حفاظت کے لیے نہ اٹھتا اور نہ ہی کوئی مضبوط رائے قائم ہو پاتی۔

وہ دوبارہ اسی تاریک دنیا میں چلے گئے اور دوسرے ممالک انھیں دین سے برگشتہ کرنے، ان کے شہر لوٹنے اور انھیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے پھر سے سر اٹھانے لگے۔ بالکل ایسا ہی ہوا اور یہ کوئی تعجب والی بات نہیں ہے کیونکہ انھوں نے منبع نور قرآن وسنت سے اپنا تعلق توڑ دیا تھا۔ انھوں نے جب صراط مستقیم سے انحراف کیا تو اب ان کے سامنے ہزاروں راستے تھے۔ جن کی منزل کوئی نہ تھی۔ اور ایسے اندھیرے میں جا پڑے ہیں کہ کہیں سے کوئی روشنی کی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ایسے حیران و سرگرداں ہیں کہ پوچھتے پھرتے ہیں: ''نجات کیسے ممکن ہے؟'' ''ہم اپنی حالت کیسے بدل سکتے ہیں؟''

تو تم اس مصیبت سے نجات صرف اس صورت میں پا سکتے ہو کہ تم دوبارہ وہی راستہ اپنا لو اور اسی اسوۂ حسنہ پر چل پڑو جس پر چلتے ہوئے تم نے ترقی اور عروج حاصل کیا تھا۔ تم اپنے رب کی کتاب کی طرف لوٹ آؤ۔ اس کے فیصلوں کو اپنی زندگی کا دستور مانو اور انھیں اپنے اعمال کے لیے شریعت تسلیم کرو۔

اگر تم ایسا کر لو تو تمھیں تمھارے غصب شدہ شہر اور گھر واپس مل جائیں گے۔

کتاب اللہ کو حاکم بناؤ، تم بہترین امت کہلاؤ گے۔ وہ امت جسے اللہ نے پسند فرمایا اور تمام مخلوقات سے بڑھ کر اس پر اپنا فضل و کرم کیا اور اسے بہترین امت قرار دیا، ارشاد فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''[1]

کتاب اللہ کو حاکم بناؤ اور اسے اپنا حاکم بنانے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم مکمل طور پر اس منہج کی طرف لوٹ آؤ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں انسانیت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فساد ہوگا اور تمھارے لیے بدبختی ہی کا سامان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ماننا نفلی عمل نہیں اور نہ ہی یہ پسند ناپسند کا معاملہ ہے۔ اس میں صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ ماننے کی صورت میں ایمان ہوگا اور نہ ماننے کی صورت میں کفر۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾

''اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔''[2]

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

[1] آل عمران 3:110. [2] الأحزاب 33:36.

''پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا، پس آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔ (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا دوست اللہ ہے۔'' [1]

کیا مسلمان اس نصیحت پر عمل کریں گے؟

نرجو من الله ذالك.



[1] الجاثیۃ 45:18، 19۔

دوسری آیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ○ ﴾

"اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔"[1]



[1] البقرۃ 2:207.



نزول آیات کے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ آیت سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

یہ بات صاحب درمنثور نے: (الدر المنثور: 238/1)

امام طبری نے تفسیر طبری میں: (تفسیر الطبري: 229/4)

امام واحدی نے اسباب النزول میں: (ص: 58)

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں: (الطبقات الکبریٰ: 229/3)

اور ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں درج کی ہے: (729/2)



صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

بہادر اور دلیر شاہسواروں میں سے ایک ہیں جن کا چھوڑا ہوا تیر ہمیشہ نشانے ہی پر لگتا تھا۔ میدانِ جنگ کے سور ماؤں میں سے ہیں جن کا وار کبھی خطا نہ جاتا اور ایسے پکے مسلمان کہ ایمان دل کی گہرائیوں تک پہنچ چکا تھا اور جسم کا ہر ایک عضو مکمل طور پر اپنے خالق کا تابع فرمان تھا۔ دنیائے فانی کی لذتوں سے یکسر دور تھے۔ انھوں نے اپنے دین کی خاطر اپنے رب تعالیٰ کی طرف ہجرت کی۔

یہ صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمر ہیں۔ آپ کے والد کسریٰ کی طرف سے ایلہ کے عامل تھے۔ آپ کا خاندان موصل میں رہتا تھا۔

والد گرامی جزیرہ نمائے عرب کے قریب دریائے فرات کے کنارے پر آباد ایک بستی میں رہائش پذیر تھے۔

والدہ محترمہ کا نام سلمٰی بنت قعید بن عمرو بن تیم تھا۔ معزز خاندان اور قبیلے سے تعلق تھا۔ کتب تاریخ میں آپ کی عفت و پاکدامنی، اچھے اخلاق و کردار اور حسن معاشرت کا تذکرہ موجود ہے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے دریائے فرات کے اس سرسبز و شاداب علاقے میں اپنے بچپن کے دن گزارے۔ آپ دوسرے بچوں کی طرح دنیا کے ہموم وغموم سے خالی ہو کر

اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ لیتے تھے۔

آپ اپنی پیاری والدہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور والد بزرگوار کی امیدیں آپ سے وابستہ تھیں۔ آپ اپنے قبیلے کے شاہسواروں کے ساتھ مقابلوں میں حصہ لیتے اور جب اپنے والد کے پاس واپس لوٹتے تو کامیابی کے تاج آپ کے سر پر ہوتے۔

جب اس طرح کے خیالات آپ کے والدِ گرامی کے دل میں پیدا ہوتے کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر عظیم شاہسوار بنے گا تو ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا اور امیدیں بر آتیں لیکن یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ رومی لشکر اس بستی پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے بستی والوں کو لوٹا بھی اور بہت سے لوگوں کو قید کر کے لے گئے جن میں صہیب بھی تھے۔ وہ ابھی کم سن تھے اور اسی کم عمری ہی سے انھیں قید و بند اور ہجر کی صعوبتوں سے واسطہ پڑا۔ والدین کے سایۂ عاطفت میں آسائش و خوشحالی کے ساتھ بہت ہی کم عرصہ رہے اور دیارِ غیر ہی میں تھے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔

اسی عرصے میں قریش کے تجارتی قافلوں میں سے ایک قافلہ روم آیا اور اس قافلے میں موجود قبیلہ کلب کے ایک فرد کی ملاقات اس عربی جوان سے ہوئی تو اس نے رومیوں سے یہ غلام خرید لیا۔ وہ اسے مکہ لایا تو عبداللہ بن جدعان رضی اللہ عنہ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔[1]

اس رومی نوجوان نے مکہ کے گلی کوچوں اور پہاڑی راستوں کی خوب پہچان حاصل کر لی۔ محنت و جفاکشی میں اپنا نام پیدا کیا۔ شکار کثرت سے کھیلتا۔ مختلف فنون میں مہارت حاصل کی۔ تیر اندازی، گھڑ سواری اور مدِ مقابل کو پچھاڑنے میں ماہر تھے۔ اس کے

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 729/2.

ساتھ ساتھ لباس و قامت میں حسن امتزاج اور بولنے میں فصاحت و بلاغت نمایاں تھی۔

مؤرخین سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا حلیہ بیان کرنے میں متفق ہیں۔ آپ کی رنگت شدید سرخی مائل، قد نہ زیادہ لمبا اور نہ چھوٹا بلکہ درمیانہ تھا، سر کے بال گھنے اور خوبصورت کہ نظر خود بخود ان کی طرف اٹھتی تھی۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ مکہ میں رہ رہے تھے۔ زندگی کی ہر خوشی اور غمی میں مکہ والوں کے ساتھ شریک تھے۔

دن گزرتے رہے۔ موسم حج آتا تو بیت اللہ کے عقیدت مند حج کی غرض سے دنیا کے کونے کونے سے کھچے چلے آتے۔ پورے مکہ میں چہل پہل ہوتی، زائرین اور حاجیوں کے قافلوں سے وادیاں اور میدان کھچا کھچ بھر جاتے۔ جانور ذبح ہوتے، نیکی عام ہوتی، قریش کچھ عرصہ کے لیے خوشحال ہو جاتے۔ کعبہ کے ارد گرد بڑے بڑے لوگ ملاقاتیں کرتے، لبیك اللھم لبیك کی صدائیں گونج اٹھتیں۔ شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت کی محفلیں سجتی۔ بہادر شاہسواروں اور قبائل کے مناقب بیان کرنے میں خطیب اور شاعر حضرات ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے زبان و بیان کا مظاہرہ کرتے۔

ایک دن یوں ہوا کہ جب صہیب دن ڈھلے شکار سے واپس ہوئے تو انھوں نے کچھ غیر معمولی شور شرابا اور آوازیں سنیں جو کبھی پست اور کبھی بلند ہوتیں۔ ''مکہ میں کیا حادثہ پیش آیا ہے؟'' انھوں نے اپنے دل میں سوچا۔

''کیا موسم حج کی چہل پہل ہے؟ نہیں، ابھی تو کافی عرصہ پڑا ہے۔''

''تو کیا کعبہ پر کسی نے حملہ کر دیا ہے اور لوگ اس کا دفاع کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟'' یہ بھی انھوں نے ناممکن سمجھا۔

''تو آخر یہ میں کیا سن اور دیکھ رہا ہوں۔'' یہ خیالات ان کے دل میں تھے اور وہ چلتے ہوئے قریش کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو وہ یہ باتیں کر رہے تھے:

''وہ ایک نئی روشنی اور نور ہے جو آسمان کا زمین کے ساتھ تعلق قائم رکھتا ہے۔''

''یہ وہ امیدِ منتظر ہیں جو پریشان اور کمزور لوگ اور نور ایمان کے متلاشی لگائے ہوئے تھے۔''

''یہ وہ روشنی ہے جو کائنات میں پھیلے گی اور کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔''

''وہ آخری رسول ہیں جن کا کب سے انتظار ہو رہا تھا۔''

''یہ زمین میں عدل و انصاف اور سلامتی کا باعث بنیں گے۔''

یہ توحید و رسالت کے وہ کلمات تھے جنھیں اپنانے کی دعوت رسول امین ﷺ نے کعبہ کے ارد گرد اور صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر دی تھی اور جس کی وجہ سے بت پرست چیخ اٹھے تھے اور انھوں نے مخالفت اور بہتان طرازی شروع کر دی تھی۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے دل میں اس نئے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا کیونکہ یہ دین قریش کی باتوں اور مجلسوں کا محور بن چکا تھا، مکہ کے ہر گھر میں ہر فرد کی گفتگو بس یہی تھی۔

صہیب رضی اللہ عنہ مزید صبر نہ کر سکے اور انھوں نے اس دین کے داعی کے بارے میں کسی سے دریافت کیا تو انھیں دار ارقم کی طرف راہنمائی دی گئی۔

سیدنا عمار بن یاسر صہیب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''صہیب رضی اللہ عنہ سے دار ارقم کے دروازے کے پاس میری ملاقات ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: آپ یہاں کیا

چاہتے ہیں؟ تو انھوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کس غرض سے یہاں آئے ہیں؟
میں نے جواب دیا: میں رسول اللہ ﷺ کا کلام سننے آیا ہوں۔
انھوں نے کہا: میرا مقصد بھی یہی ہے۔
فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہم دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ہم وہاں ایک دن ٹھہرے اور جب شام ہوئی تو لوگوں سے چھپتے چھپاتے باہر نکلے۔"[1]

لیکن نورِ ایمان کہاں چھپا رہ سکتا ہے۔ اور کلمۂ توحید تو ایک موحد کی پہچان بن جاتا ہے۔ قریش ان لوگوں کو برداشت نہ کرسکے جو محمد ﷺ کا اتباع کرتے تھے اور ان کے بتوں اور ان کے عقیدوں کا کھلا مذاق اڑاتے تھے۔ کفارِ مکہ نے ان مومنین کا جینا دوبھر کردیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور کوئی ایسا حربہ نہ چھوڑتے جس کے ذریعے سے وہ مسلمانوں کو فتنے میں مبتلا کرسکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ان کی تکلیفوں سے محفوظ نہ تھے۔

جب حالات ناقابلِ برداشت ہوگئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ پے در پے مہاجرین کے قافلے مدینہ روانہ ہوتے گئے حتی کہ صہیب رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ وہ مکہ میں اکیلے کلمۂ توحید کے حامل رہ گئے ہیں تو انھوں نے بھی ہجرت کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔

کچھ ہی دنوں میں انھوں نے سواری کا بندوبست کرلیا۔ تیر لیے، تلوار گلے میں

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/227.

لٹکائی اور مدینہ کی طرف رخت سفر باندھا، مکہ کے جس راستے سے گزرتے کفر کے سردار انھیں روکنے کی کوشش کرتے۔

سعید بن مسیب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کے واقعۂ ہجرت کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو قریش کے کچھ لوگ آپ کے پیچھے ہو لیے۔ جب آپ نے انھیں دیکھا تو اپنی سواری سے اترے، ترکش سے تیر نکالے اور باآواز بلند کہا: ''او قریشیو! تم خوب جانتے ہو کہ میں تم سب سے بڑھ کر ماہر تیر انداز ہوں۔ اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر موجود ہے، پھر میں تم پر اپنی تلوار آزماؤں گا۔ اب تم جو چاہو کرو۔ اور اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس شرط پر اپنے مال کا پتا بتاتا ہوں کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو گے۔

انھوں نے کہا: ہاں، ٹھیک ہے، چنانچہ صہیب رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے مال کا پتا بتا دیا، [1] پھر چلتے رہے حتی کہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے وزیر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ تازہ کھجوریں ان کے سامنے پڑی تھیں جو کہ کلثوم بن ہدم لائے تھے۔

صہیب رضی اللہ عنہ راستے میں آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور انھیں شدید بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ آتے ہی کھجوریں کھانے لگے۔ یہ دیکھتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خوش طبعی کا موقع مل گیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول! صہیب کو دیکھیے، اس کی آنکھ بھی دکھتی ہے، وہ پھر بھی

[1] الطبقات الکبرٰی: 3/227.

کھجوریں کھا رہا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کھجوریں کھا رہا ہے جبکہ تیری آنکھ دکھتی ہے؟''

صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنی درست آنکھ کے کنارے سے کھا رہا ہوں۔

یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے۔

صہیب رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گلے شکوے کرنے لگے: آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے ساتھ لے کے جائیں گے لیکن آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر آ گئے۔ یہی شکوہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی کیا اور کہا کہ آپ کے جانے کے بعد قریش نے مجھے قید کر دیا تھا۔ اب میں اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اپنے مال کے عوض خرید کے لایا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَبِحَ الْبَيْعُ، رَبِحَ الْبَيْعُ»

''صہیب! تو نے تو نفع کمایا ہے، یہ تجارت فائدے میں رہی ہے۔''[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا صہیب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات قائم کی۔ وہ معاذ جن کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے:

«أَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ»

''حلال و حرام کا علم سب سے زیادہ معاذ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔''[2]

اور جب یمن کی طرف روانہ فرمایا تو پوچھا:

''فیصلے کیسے نمٹاؤ گے؟''

معاذ رضی اللہ عنہ: ''اللہ کی کتاب سامنے رکھوں گا۔''

---

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/228. [2] المستدرک للحاکم، حدیث: 5784.

رسول اللہ ﷺ: ''وہ اگر کتاب اللہ میں موجود نہ ہوا تو؟''

معاذ رضی اللہ عنہ: ''پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ: ''اچھا! اگر سنت سے رہنمائی نہ ملی تو پھر؟''

معاذ رضی اللہ عنہ: ''پھر میں اجتہاد کروں گا۔''

یہ جواب سننے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جسے اس کا رسول پسند کرتا ہے۔'' [1]

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور انھوں نے اسلام کے اولین جاں نثاروں اور بہادروں کو دیکھا جو مشرکین کے ساتھ ٹکراؤ کے لیے نکلے تھے۔ انھوں نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں بیچ ڈالیں تھیں۔ وہ اپنے گھروں سے نکلے تھے اور ان کا مطمحِ نظر صرف اللہ کے دین کی نصرت تھی۔ وہ دین جس کی وجہ سے انھیں عزت و شرف ملا تھا۔ یا پھر راہ الٰہی میں شہادت کی تمنا لے کر نکلے تھے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان یاد کر لیا تھا جو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو یقین آ گیا تھا کہ اب قریش صرف لڑائی ہی چاہتے ہیں، صرف قافلہ بچانا ان کا مقصد نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

سید الأنصار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

[1] سنن أبي داود، حديث: 3594.

''اللہ کے رسول! شاید آپ ہماری انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!''

سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے نبی! آپ کا جو ارادہ ہے کر گزریے۔ ہمیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اگر آپ اس سمندر کو عبور کرنے کے لیے اس میں داخل ہوں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے اور ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اللہ کی برکت سے چل نکلو۔''

چنانچہ اس غزوے میں مسلمانوں کی بھر پور مدد کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے کفر اور اس کے لشکر کو ذلیل و رسوا کیا۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ غزوۂ احزاب میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں بھی شریک ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل رجزیہ کلام بھی سنا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَه

فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَه

''اے اللہ! اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے، جن میں صہیب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، آپ کے اشعار کا یوں جواب دیا:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

”ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے۔ جب تک زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے۔“

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں جب انھوں نے کفر کے لشکروں کو تباہ ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑی تیز و تند ہوا بھیج دی۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے، دیگیں الٹ گئیں اور سواریاں بدک گئیں اور ایسے دم دبا کر بھاگے کہ کسی کو کسی کا کوئی ہوش نہ رہا۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ احزاب کی شکست کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ انھیں اللہ تعالیٰ کا درج ذیل کلام پڑھ کر سنا رہے تھے:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ ﴾

”اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (بے ساختہ) کہہ اٹھے، انھی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔ مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی

ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراد) لوٹا دیا انھوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا، غالب ہے۔"[1]

صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور آپ اپنی نسبت عربوں کی طرف کرتے تھے۔ آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ مہمان نوازی بہت کیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا:

صہیب! تم اپنے آپ کو ابو یحییٰ کہلواتے ہو حالانکہ تمھارا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ تم کہتے ہو کہ تم عربی ہو جبکہ تم ایک رومی ہو۔ تم کھانا بہت کھلاتے ہو اور یہ فضول خرچی ہے۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"آپ کا یہ کہنا کہ میں ابو یحییٰ کیوں کہلواتا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود میری یہ کنیت رکھی تھی۔ یہ اعتراض کہ میں اپنی نسبت عربوں کی طرف کیوں کرتا ہوں تو میں نمر بن قاسط قبیلے کا ایک فرد ہوں جو موصل میں رہتا ہے۔ جب میں چھوٹا تھا تو رومی مجھے قید کر کے لے گئے تھے۔ میں اس لیے زیادہ کھانا کھلاتا ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] الأحزاب 33:22-25.

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔"[1]
یہی وجہ ہے کہ میں کھانا بہت کھلاتا ہوں۔"

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ ان مردوں میں سے ہیں جنھوں نے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ سفر و حضر میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ کرتے اور جس سے منع کیا اس سے باز رہتے۔ دنیائے فانی کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا تھا کہ یہ دنیا جائے قرار نہیں ہے، اس لیے انھوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ مال و دولت کو ایک عارضی شے سمجھتے تھے، اس لیے انھیں اس کی کوئی لالچ نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مہمان نوازی بہت کیا کرتے، صدقہ و خیرات کرتے اور خستہ حال لوگوں کی پریشانیاں دور کرتے تھے۔ یہ سب کچھ آپ رب تعالیٰ کے تقرب اور اس کے دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے کیا کرتے تھے۔

صہیب رضی اللہ عنہ کی یہ صفات کیسے نہ ہوں جبکہ وہ خود فرماتے ہیں:

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اجتماع میں ہوں اور میں وہاں پر نہ ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت بھی کوئی بیعت لی ہے میں اس میں حاضر تھا۔ کوئی سریّہ اور کوئی غزوہ، خواہ شروع اسلام میں تھا یا بعد کے دور میں ایسا نہیں گزرا جس میں میں نے شمولیت نہ کی ہو۔ میں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آگے آگے چلتا۔ اور جب پچھلی جانب سے خطرہ ہوتا تو میں پیچھے پیچھے چلتا۔ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کا سامنا نہیں کرنے دیا بلکہ میں خود آگے ہوتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔"[2]

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 730/2. [2] حلية الأولياء: 151/1.

واقعی سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے قائد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور کسی ایک موقع پر بھی پیچھے نہیں رہے۔ وہ دل و جان سے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کرنا چاہتے تھے۔

یہی وہ ایمان ہے جو اسلام کے ہراول دستے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رچ بس گیا تھا۔ انھوں نے اپنی جان و مال اپنے دین کے لیے ہبہ کر دیے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے بہت حریص تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ دین اسلام کا دفاع کرتے رہے۔ انھوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کر ڈالیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار و کردار کا گہرا مطالعہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اپناتے اور اسے روبہ عمل میں لانے کی کوشش کرتے۔

غزوۂ حنین میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک ہلتے ہوئے دیکھے تو آپ کی باتیں سننے کے لیے اور زیادہ قریب ہو گئے تاکہ آپ کے فرامین یاد کر سکیں لیکن آپ کے الفاظ سن نہیں پائے اور یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ سے پوچھ لیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد دوبارہ اسی طرح اپنے مبارک ہونٹوں کو حرکت دینے لگے۔ اس بار صہیب رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا اور پوچھ لیا: حضور! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنے لبوں کو حرکت دیتے ہیں جبکہ پہلے آپ ایسا نہیں کیا کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم سے پہلے ایک نبی ہو گزرے ہیں۔ انھیں اپنی امت کی کثرت پر فخر آ گیا تھا اور وہ کہہ بیٹھے تھے:

انھیں اب کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی کی کہ اپنی امت کے لیے ان تین چیزوں میں سے ایک پسند کر لے: موت، دشمن اور بھوک۔''

اللہ کے نبی نے اپنی قوم کے سامنے یہ باتیں رکھیں تو وہ کہنے لگے: ہم بھوک برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں موت دے دی جائے، چنانچہ تین دن میں ان کے ستر ہزار (70,000) آدمی مر گئے۔ اب میں یہ دعا کر رہا ہوں۔

«اَللّٰهُمَّ بِكَ أُحَاوِلُ وَبِكَ أُصَاوِلُ وَبِكَ أُقَاتِلُ»

''اے اللہ! میں تیری مدد ہی سے حیلہ کرتا ہوں۔ تیری مدد ہی سے دشمن سے مڈھ بھیڑ ہوتا ہوں اور تیری ہی نصرت سے جہاد کرتا ہوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا اس وقت مانگی جب غزوۂ حنین میں کچھ مسلمانوں نے اپنی کثرتِ تعداد پر فخر کرتے ہوئے کہا: آج ہمیں کثرت تعداد کی بنا پر شکست نہیں ہوگی۔'' مسلمان یہ بھول گئے تھے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد حقیقت میں مدد و نصرت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ بہت بڑی تعداد اور بھرپور تیاری نصرت کا پیش خیمہ نہیں ہے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمھیں مدد دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جبکہ تمھیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔'' [2]

---

[1] سنن الدارمي، حديث: 2497. [2] التوبة 9:25.

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ یہ آخری پیغام اپنی تکمیل کو پہنچے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جس کام کی ذمہ داری سونپی تھی وہ پوری ہو اور پھر آپ ﷺ کی وفات ہو۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان اس ذمہ داری کو اپنے سر لیں اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے دشمن سے لڑیں یہاں تک کہ وہ اپنا مقصد پا لیں اور اسلام زمین کے ہر کونے تک پھیل جائے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

مسلمان فتنوں کے شدید سیلاب میں بہہ گئے۔ فرقوں میں بٹ گئے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد مسلمانوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ اس نئے خلیفۂ راشد کے گروہ میں شامل ہو گئے، تاہم انھوں نے مکمل خاموشی اختیار کر لی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسلمانوں کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ 38 ھ میں مدینہ منورہ میں 73 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ



اسبابِ نزول

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب صہیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے تو مشرکین نے ان کا پیچھا کیا۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور تیر کمان اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے، گویا ہوئے: او قریشیو! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ ماہر تیر انداز ہوں اور اللہ کی قسم! جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی ہے تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر تیر ختم ہو گئے تو تلوار میرے پاس ہے اور میں تلوار چلانا بھی خوب جانتا ہوں۔ اب تم جو چاہو کرو۔

وہ کہنے لگے: تم ہمیں اپنے مال اور گھر کا پتہ بتا دو، ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے یہ شرط منظور کر لی اور انھیں اپنے گھر اور مال کے بارے میں بتا دیا۔

جب مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابو یحییٰ! تو نے نہایت ہی نفع مند تجارت کی ہے۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ کی رضا مندی کی خاطر اپنی جان تک بیچ ڈالتے

ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔‘‘ [1]

مفسرین کرام فرماتے ہیں: مشرکین مکہ صہیب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر عذاب دیتے رہے۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ’’میں ایک بڑی عمر کا آدمی ہوں، تم میں رہوں یا نہ رہوں اس سے تمھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیا تم ایسا کرتے ہو کہ میں تمھیں اپنا مال دے دوں اور تم میرے اور میرے دین کے درمیان رکاوٹ نہ بنو؟‘‘ انھوں نے یہ بات مان لی۔ آپ نے یہ شرط بھی لگائی تھی کہ میں اپنی سواری اور زاد راہ رکھ لوں گا، چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ مدینہ میں سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بہت سے لوگوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور کہا:

’’ابو یحییٰ! تیری بیع تو نفع میں رہی ہے۔‘‘

صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ’’اللہ تعالیٰ آپ کو بھی نفع دے، میں کچھ سمجھا نہیں؟‘‘

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں یہ آیت نازل کی ہے۔‘‘

انھوں نے مذکورہ آیت کی تلاوت سنائی۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں دو طرق سے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

ابن جریر نے عکرمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت مبارک صہیب، ابوذر اور جندب بن سکن رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

زیادہ تر مفسرین نے اس پر محمول کیا ہے کہ یہ آیت ہر مجاہد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] البقرة 2:207.

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ
وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي
بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○﴾

”بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے، پس تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوش ہو جاؤ اور یہ عظیم کامیابی ہے۔“[1]



[1] التوبة 9:111.



ضمیمہ

اسلام کے طبقۂ اولیٰ کے لوگوں پر اسلام کا کیسا اثر ہوا؟

وہ کون سے عطیات اور گوہر نایاب تھے جو اسلام نے انھیں عطا کیے اور جن کے لیے انھوں نے اپنے اہل و عیال، مال و دولت اور اولاد کو قربان کر ڈالا؟

حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہی وہ چیزیں ہیں جن کی محبت انسان کو بہرہ، گونگا اور اندھا بنا دیتی ہے اور بڑی مشقت سے ہی ان سے خلاصی پا سکتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾

”مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے۔“ [1]

چنانچہ انھوں نے ان چیزوں کی محبت سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا؟ اور ان چیزوں کی قید سے کیسے آزادی حاصل کی؟

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان لوگوں نے کیسے نجات حاصل کی۔ ان لوگوں کے مضبوط ایمان نے ان اشیا کی محبت سے انھیں دور رکھا۔ وہ ایمان جو ان کے دلوں کی

[1] آل عمران 14:3.

تہہ تک پہنچ چکا تھا اور ان کے جسم کے ہر عضو پر ایمان حاکم تھا۔ اس بے مثال ایمان نے ان کے سامنے دنیا کی حقیقت کھول کر رکھ دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دنیا کی بے ثباتی کو واضح کیا ہے، اس لیے انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ چیزیں محض دنیا کی زیب و زینت ہیں۔ سامانِ آرائش اور سامان آخرت کے درمیان فرق کی اہمیت ان کے سامنے عیاں تھی۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ایمان کا ذائقہ چکھا تو دنیا کی لذتوں کو بھول ہی گئے۔ اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے وہ سب مہاجرین جو اپنے دین کی خاطر مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چل دیے اور اپنے مال وزر اور اہل وعیال سے لاتعلق ہو گئے۔ انھوں نے بھی اس دنیا کی حقیقت کو جان لیا تھا۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے ایمان کی معرفت حاصل کرنے کے بعد کیا کیا؟

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال، اپنی زندگی اور ہر وہ چیز جس کا اس دنیا سے تعلق تھا ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں اپنا دین، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو رکھا تو دوسرا پلڑا جھک گیا، چنانچہ وہ مہاجر الی اللہ بن کر مدینہ کو کوچ کر گئے۔

لیکن!

ہمارے اس موجودہ دور میں عام مشاہدہ میں آتا ہے کہ لوگ مال ومنال جمع کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اس کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ انھیں اتنا حرص ولالچ ہے کہ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں آیا مال جائز ذرائع سے آ رہا ہے یا ناجائز ذرائع سے، شرعی حدود کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ ذریعہ معاش انسانی عزت وعظمت کے موافق ہے

یا نہیں۔ دولت کے پجاری ان میں سے کسی بات کا کوئی خیال نہیں کرتے۔

آپ دیکھیں گے کہ بندۂ درہم و دینار کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اور مشغلہ مال جمع کرنا ہے جبکہ ایسے لوگوں کے نزدیک اولاد اور بیوی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ دینی تعلیمات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے بالکل نابلد ہوتے ہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں، جوانیاں بیت جاتی ہیں لیکن وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں، منافع اور خسارے کا بیلنس چیک کرتے ہوئے بوڑھے ہو جاتے ہیں۔

لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اس دنیا کی حقیقت کو پہچان لیتے ہیں۔ جب عالم شباب عالم شیب (بڑھاپے) میں تبدیل ہو جاتا ہے اور دنیا انھیں فٹ پاتھ پر پھینک دیتی ہے تب ان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔

کچھ بدنصیب تو ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں اس وقت تک بھی ہوش نہیں آتا اور ہوسِ زر ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ملک الموت کو دیکھ نہ لیں۔

اگر!

اگر یہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں تو انھیں پتا چل جائے کہ یہ مال و زر ایک جلد زائل ہونے والی چیز ہے اور اس کی حیثیت مستعار (ادھار) لی گئی شے کی طرح ہے جسے ضرورت کے لیے ہی استعمال کرتے ہیں، اس لیے کوئی حکمت اور دانائی والی بات نہیں ہوگی کہ ہم قانون حیات اور قانون فطرت کو تبدیل کرتے پھریں، اپنا مال کمر پر لادے ایک بینک سے دوسرے بینک منتقل کرتے پھریں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانکتے پھریں۔

ضرورت سے زائد مال ایک فالتو اور اضافی چیز کے زمرے میں آتا ہے۔ کسی بھی

چیز کی زیادتی جماعتوں اور افراد کے لیے سب سے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

وقت کی زیادتی انسان کو بور کر دیتی ہے اور جب کئی کئی دن انسان کو فراغت مل جائے تو انسان کی جان پر بنی ہوتی ہے۔

شہوت کی زیادتی جبکہ اس کے لیے کوئی شرعی و دینی ضابطہ نہ ہو، تباہ کن بلا کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ انسان کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ دوسروں کی عزت و ناموس سے کھیلے اور ایسے شخص کی زندگی فسق و فجور پر مبنی ہوتی ہے۔

ضرورت سے زائد مال انسان کے لیے ایک بوجھ ہوتا ہے، چاہے اسے اس کا احساس نہ ہو۔ یہ ایسے کہ جب وہ اپنے اضافی اور زائد مال کی حفاظت اور حساب کتاب میں پڑا ہوتا ہے تو اس وقت وہ پریشانی میں ہوتا ہے اور یہی اس کے لیے بوجھ ہے۔ بسا اوقات اسی مال کی فراوانی اور اس سے محبت انسان کے لیے دین و دنیا کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔ آج ہمارے اس پرفتن دور میں دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔

اسلام کی دعوت اعتدال، میانہ روی اور قناعت پر مبنی ہے۔ اسلام فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اضافی مال، وقت، جنس اور کھانے وغیرہ کے استعمال میں اسراف اور تبذیر سے دور رہے۔

بسیار خوری (Over eating) صحت کے لیے مضر ہے۔ جسم کا اندرونی نظام گڑبڑ ہو جاتا ہے اور انسان سست اور مدہوش نظر آتا ہے۔

عبادات میں زیادتی تعمیر کائنات سے دور بھاگنے کے مترادف ہے اور یوں بھی انسان اس طرح سے اللہ کی رضا حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان

لوگوں کو منع کر دیا تھا جن کا ارادہ تھا کہ وہ اپنا سارا وقت اللہ کی عبادت میں گزاریں گے۔ گویا وہ محنت ومشقت سے پیچھا چھڑا کر ہمیشہ کا سکون چاہتے تھے۔ یا پھر وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے تھے۔ صحیحین میں اس واقعے کی تفصیل موجود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین آدمی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آئے۔ جب انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو انھوں نے اپنی نظروں میں اسے معمولی سمجھا اور کہنے لگے: ہمارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقابلہ! آپ کے تو پہلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا:

''میں جب تک زندہ ہوں رات کو عبادت ہی کروں گا، سوؤں گا نہیں۔''

دوسرے نے کہا:

''میں ہمیشہ روزے ہی رکھوں گا، کبھی چھوڑوں گا نہیں۔''

تیسرے نے کہا:

''میں عورتوں سے دور رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی باتوں کا پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا: ''تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ خبردار! میں تم سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہیں۔ سن لو! جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري، حديث:5063، و صحيح مسلم، حديث:1401.

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تا کہ آپ اس لشکر میں شامل ہو جائیں جسے رسول اللہ ﷺ مکہ کی فتح کے لیے تیار کر رہے تھے اور جس کے ذریعے سے آپ ﷺ بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کرنا چاہتے تھے۔

ہجرت مدینہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے نظر آنے لگے۔ وہ تکبیرات اور تہلیلات بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے، بتوں کو گراتے ہوئے اور کفر اور اہل کفر پر غلبہ پاتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے حتی کہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور کلمۂ توحید ان کی زبانوں پر تھا۔

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے دروازے کے پاس ٹھہرے اور آپ ﷺ بار بار یہ کلمات دہرا رہے تھے۔

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو عزت و شرف سے نوازا اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست فاش دی، ایک اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔"

پس کون ہے وہ قائد اور لیڈر جو اس طرح کا کردار ادا کرے جیسا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا؟ ہاں، وہ کون سا نیا راہنما ہے جو اپنے مال کو، اپنے عیال اور اپنی دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف ہجرت کرے گا اور ایمانی لشکر اور اللہ کے لشکروں کی تنظیم نو کرے گا؟

جی ہاں! ایسا کوئی ہے جوان جو ارض اسلام کو آزادی دلائے اور کفر اور اس کے لشکر

کو واپس ان کے گھروں تک بھگا آئے؟

آپ کے خیال میں ایسا لیڈر کون ہو سکتا ہے؟

کس شہر اور کس خطے میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مسلمان اس وقت ایسے قائد کے انتظار میں ہیں اور اس ستارے کے طلوع ہونے کے منتظر ہیں۔

کیا یہ خواہش پوری ہوتی نظر آتی ہے؟

اور کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی؟

ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ایسے دن دوبارہ ضرور آئیں گے!!۔

تیسری آیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔"[1]



[1] المائدة 5:87-88.



نزول آیات کے متعلق علماء کے اقوال

مفسرین، محدثین اور اہل سیر کی اکثریت کا قول ہے کہ یہ آیات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن میں سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

ملاحظہ کیجیے:

تفسير الطبري: 520/10

تفسير القرطبي: 260/6

الدرالمنثور: 308/8

تفسير بغوي والخازن: 70,69/2

جامع الترمذي: 3054

أسباب النزول للواحدي، ص: 199

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

والد کا نام مظعون بن حبیب جمحی تھا۔ تاریخ ان کے بارے میں خاموش ہے۔ زوجہ محترمہ کا نام خولہ بنت حکیم تھا اور یہ وہی خاتون ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا تھا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تنہائی محسوس کر رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! وہ میرے بچوں کی ماں تھی اور گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خاتون تھی۔''

وہ کہنے لگیں: ''میں آپ کے لیے کسی سے رشتے کی بات کروں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں! ویسے تم عورتیں اس معاملے میں بہت نرم دل ہو۔''

چنانچہ انھوں نے سودہ بنت زمعہ اور عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم کا ان کے گھر والوں سے رشتہ مانگا۔[1]

بھائیوں میں عبداللہ اور قدامہ کے نام آتے ہیں۔ جو سابقین اولین میں شامل ہیں، دونوں ہجرتوں (ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ) کا اعزاز انھیں حاصل ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کرتے رہے۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 57/8.

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل بھی سلیم الفطرت اور عقل و شعور کے مالک تھے۔ بتوں اور ان کی پوجا پاٹ سے یکسر دور تھے۔ جاہلیت کی عادات ان میں بالکل نہیں تھیں اور انھوں نے دور جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کی ہوئی تھی۔ اور جب ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا:

''میں ایسی شراب نہیں پیتا جو میری عقل کو لے جائے اور جس کی وجہ سے مجھ پر گھٹیا لوگ بھی ہنسیں اور جو مجھے اس بات پر ابھارے کہ میں اپنی ماں سے برائی کر بیٹھوں۔''

اور جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ان سے کہا گیا:

''عثمان! شراب حرام کر دی گئی ہے۔''

تو انھوں نے یہ جواب دیا:

''اس کے لیے ہلاکت ہو! مجھے اس کے بارے میں پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ یہ بہت ہی گھٹیا چیز ہے اور یہ ضرور حرام کر دی جائے گی۔

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام سنتے ہی لبیک کہا اور داعیان اسلام میں شامل ہو گئے۔

طبقات ابن سعد میں مصنف لکھتے ہیں:

''سیدنا عثمان بن مظعون، عبیدہ بن حارث، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم یہ سب اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا تو یہ سب حضرات ایک ہی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔ یہ

اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ ابھی دار ارقم میں منتقل نہیں ہوئے تھے اور نہ وہاں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تھا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے، آپ نے انھیں آواز دی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اسی دوران میں جب باتیں ہو رہی تھیں تو اچانک رسول اللہ ﷺ نے اپنی نظر مبارک آسمان کی طرف اٹھائی۔ نظر گھماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں جانب زمین پر لے آئے، پھر وہاں سے اٹھ کر اس طرف چل دیے جہاں نظر آ کر ٹکی تھی، اس جگہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کو اس طرح گھما رہے تھے کہ گویا آپ کسی کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے اور وہ باتیں جو آپ سے کہی جا رہی تھیں آپ نے سمجھ لیں تو آپ نے دوبارہ آسمان کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ آسمان میں نظر چھپ گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی کے پاس واپس آ کر بیٹھ گئے۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! میں پہلے بھی آپ کے پاس آتا رہتا ہوں اور کئی بار آپ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع بھی ملا ہے لیکن آج جس طرح آپ نے کیا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھنے میں آیا؟

رسول اللہ ﷺ: ''آپ نے کیا دیکھا ہے؟''

عثمان: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی ہے اور دور اپنی دائیں جانب دیکھا ہے، پھر آپ مجھے چھوڑ کر اس جانب چلے گئے ہیں۔ آپ اپنے سر کو ایسے حرکت دے رہے تھے گویا کوئی شخص آپ سے بات کر رہا ہو اور آپ

اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ: ''کیا واقعی آپ نے یہ سب کچھ دیکھا ہے؟''

عثمان: جی ہاں۔

رسول اللہ ﷺ: ''میرے پاس آپ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کا پیامبر آیا تھا۔''

عثمان: ''اللہ کا پیامبر؟''

رسول اللہ ﷺ: ''جی ہاں، اللہ تعالیٰ کا قاصد۔''

عثمان: ''اس نے آپ سے کیا کہا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ: ''اس نے آکر مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''[1]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس اس وقت سے میرے دل میں ایمان بھر گیا اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت ہوگئی۔

واقعتاً انھوں نے سچی محبت کی۔ ان کے دل میں آپ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جسم کا ہر حصہ آپ کی محبت سے سرشار تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ محمد ﷺ وہ ہستی ہیں جن کے ذریعے سے انھیں ہدایت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں صراط مستقیم سے متعارف کرایا۔ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے ایمان کی روشنی میں

---

[1] الطبقات الکبریٰ: 1/174، النحل 16:90۔

لے آئے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے اپنی اولاد، بیویوں، خاندان اور وطن سے بڑھ کر محبت کی تھی حتی کہ جب مشرکین نے مومنین کی جماعت کا جینا دوبھر کر دیا تو انھوں نے ہر چیز کو چھوڑ دیا اور اپنا دین بچاتے ہوئے حبشہ کو کوچ کر گئے۔

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے خالصتاً اپنے دین کی حفاظت کے لیے گھر بار چھوڑا تھا اور پھر کافی عرصہ مہاجرین کے ساتھ ارض حبشہ میں نجاشی کی مہمان نوازی میں رہے۔ لیکن جب مشرکین نے یہ اعلان کیا کہ ہم اس نئی دعوت سے مصالحت کرنے کے لیے تیار ہیں اور انھوں نے مسلمانوں کے درپے ہونا چھوڑ دیا تو مہاجرین حبشہ اپنے آبائی شہر مکہ واپس آگئے۔ تاہم وہ اپنی واپسی پر اس وقت نہایت ہی نادم ہوئے جب انھیں اس حقیقت کا علم ہوا کہ یہ سب قریش کی چال تھی اور وہ اس کے ذریعے سے مہاجرین حبشہ کو، جنھوں نے اپنے دین کی خاطر اپنے وطن کو خیر باد کہا تھا، دوبارہ قید کر کے انھیں تختہ مشق بنانا چاہتے تھے اور دوبارہ بتوں کی عبادت کرنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔

اسی کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چند اشعار کہے تھے جن میں انھوں نے امیہ بن خلف کو ڈانٹ پلائی جو انھیں اذیتیں پہنچایا کرتے تھا۔ آپ نے امیہ بن خلف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تو ظلم کرتے ہوئے مجھے وادی مکہ سے نکال رہا ہے اور مجھے سفید محل میں رہنے پر مجبور کر کے گالیاں بک رہا ہے۔ تو تیروں کو پر لگاتا ہے اور تجھے یہ تیرا عمل موافق نہ آئے گا۔ تو جو تیر بناتا ہے اس کے سارے پر تیرے ہی لیے ہیں۔ تو نے ایسی قوم سے لڑائی مول لی ہے جو عزت دار ہیں اور ایسی قوم سے

ہاتھ دھو بیٹھا ہے جن کی تو پناہ لیتا تھا۔ عنقریب تجھے پتا چل جائے گا جب تجھ پر کوئی مصیبت آئے گی اور تجھے کمینے لوگ تیرے ہی کرتوتوں کے سپرد کر کے بے یارو مددگار چھوڑ کر چلے جائیں گے۔‘‘ [1]

اسی لیے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں داخل ہونا چاہا تو ولید بن مغیرہ کا امان لینے پر مجبور ہو گئے اور پھر ولید کی پناہ ہی میں وہ کافی عرصہ امن و سکون کے ساتھ مکہ میں رہے۔ کسی نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور نہ ہی ان کی طرف میلی نگاہ کے ساتھ دیکھا حالانکہ دوسرے مسلمان جو حبشہ سے واپس آئے تھے انھیں طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا چنانچہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو انھیں اچھا نہ لگا، کہنے لگے:

’’واللہ! میری صبح و شام تو مشرک آدمی کی پناہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور میرے دوسرے بھائی آزمائش اور تکلیف میں مبتلا ہوں۔ یہ تو میرے لیے بڑے عیب کی بات ہے۔‘‘

عثمان رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے اور کہا: ’’اے عبد شمس! تیرا ذمہ پورا ہو گیا۔ اب میں تیری پناہ واپس کرتا ہوں۔‘‘ اس نے کہا: میرے بھتیجے! آخر کیوں؟ تجھے کسی نے تکلیف دی ہے یا تیری عزت پامال کی ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میں اب صرف اپنے اللہ کی پناہ پر راضی رہنا چاہتا ہوں اور اس کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں آنا چاہتا۔‘‘ اس پر ولید نے کہا: تجھے مسجد حرام میں جا کر لوگوں کے سامنے، جس طرح میں نے تجھے پناہ میں لیا تھا اس طرح، میری پناہ واپس کرنا ہو گی۔ دونوں مسجد حرام میں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 355/1.

پہنچے۔ وہاں ولید نے کہا: اس نے سچ کہا۔ یہ واقعی مجھے میری پناہ واپس لوٹانے آیا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس نے بھی سچ کہا ہے۔ میں نے اسے وفادار اور بہترین پناہ دینے والا پایا ہے لیکن اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ میں نہ رہوں، لہٰذا میں اب اس کی پناہ اسے واپس کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر عثمان رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ [1]

یہ تھا عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار۔ یقیناً آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق ہیں: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔'' [2]

لہٰذا جب مسلمانوں کو کوئی اذیت پہنچے تو اس میں سب مسلمانوں کو شامل ہونا چاہیے۔ یہی وہ تعاون اور الفت و محبت ہے جو اسلام کے ہراول دستے کو ممتاز کرتی ہے۔ یہ الفت و تعاون ہر میدان میں نمایاں تھی۔ جنگ ہوتی تو تلوار کا وار اپنے سینے پر کھا لیتے اور اپنے بھائی کی جان بچاتے۔ صفوں میں آگے آگے ہوتے تاکہ اپنے پچھلوں کو بچا سکیں۔ انتہائی بھوک میں بھی اپنے پیٹ کی آگ نہ بجھاتے بلکہ روٹی کے وہ ٹکڑے اپنے اس بھائی کو دیتے جو ان سے زیادہ بھوکا ہوتا۔ ان کے بارے میں شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

''جب وہ زرہ پوش ہو کر میدان جنگ میں اترتے ہیں تو قلعوں کے قلعے تباہ کر ڈالتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو آپ انھیں اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز پاتے ہیں۔''

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید کا امان واپس لوٹا دیا اور بے خوف وہراس مکہ کی

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 355/1. [2] صحيح البخاري، حديث: 13.

گلیوں اور بازاروں میں گھومنے لگے، گویا وہ مشرکین کو بھڑکا رہے تھے اور انھیں چیلنج کررہے تھے۔ اچانک ان کی نظر لوگوں کے ایک جمگھٹے پر پڑی جو لبید بن ربیعہ شاعر کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے اور وہ انھیں اپنے اشعار پڑھ پڑھ سنا رہا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور بڑے غور سے سننے لگے۔ اشعار پڑھتے ہوئے لبید نے یہ الفاظ کہے:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ

”خبردار! اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔“

عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ”تو نے سچی بات کہی ہے۔“

لبید نے اگلا مصرعہ پڑھا:

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

”اور ہر نعمت نے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔“

عثمان رضی اللہ عنہ نے ٹوکا: نہیں تو نے غلط کہا ہے۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی۔

لبید نے کہا: ”اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! آج سے پہلے کبھی تمھارے مہمان کو رسوا نہیں کیا گیا لیکن اب یہ کیسے ہوا؟“ ان میں سے ایک آدمی نے کہا: ”یہ اکیلا بے وقوف نہیں، اس کے ساتھ اور بھی ہیں جو ہمارے دین کو چھوڑ چکے ہیں۔ آپ اس کی باتوں کو محسوس نہ کرنا۔“

عثمان رضی اللہ عنہ سے صبر نہ ہو سکا اور انھوں نے اسے بھرپور جواب دیا۔ معاملہ بڑھ گیا، چنانچہ لڑائی میں اس آدمی نے عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر طمانچہ مارا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ سوج گئی۔ ولید عثمان رضی اللہ عنہ کو قریب سے بیٹھا دیکھ رہا تھا، اس نے کہا: ”اے میرے بھتیجے!

تیری یہ آنکھ اس چوٹ سے محفوظ تھی اور بلاشبہ تو ایک مضبوط پناہ گاہ میں تھا۔'' عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''واللہ! میری دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں چوٹ برداشت کرنے کی خواہش مند ہے۔ اے ابوعبد شمس! میں اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ طاقت ور اور قدرت رکھنے والا ہے۔'' ولید نے دوبارہ اپنی پناہ کی پیش کش کی جسے عثمان رضی اللہ عنہ نے ٹھکرا دیا۔'' [1]

ولید چاہے ہزار بار آفر کرتا، وہ پھر بھی ٹھکرا دیتے کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں جو موت و حیات کا مالک ہے اور رزق و اجل بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ لوگ! یہ تو کسی چیز کے مالک ہیں نہ انھیں کوئی اختیار حاصل ہے۔ یہ تو خود اپنی جان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝﴾

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو، بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ (سارے ہی) اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے تو وہ اسے بھی اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب و مطلوب (عابد و معبود دونوں) کمزور ہیں۔'' [2]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بے خوف پھرتے تھے اور کفار کے سامنے ایسی باتیں کرتے تھے جن سے ان کو غصہ آتا اور ان کے سینے میں آگ بھڑک اٹھتی۔ آپ ان کے سامنے کلمۂ توحید کو بلند کرتے اور حق کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 391/1. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 391/1، والحج 73:22.

ہرگز پرواہ نہ کرتے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

مسلمان اس نئی پناہ گاہ کی گھاٹیوں سے نکل کر چاروں طرف پھیل جاتے۔ اللہ کے دین کی دعوت دیتے، اس کے کلمے کی سر بلندی کے لیے جہاد کرتے اور امن و سلامتی کا پیغام لے کر پھیل جاتے۔ اس نئی پناہ گاہ کو خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے منتخب کیا تھا۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پڑوس ہی میں رہے اور آپ ﷺ نے ان کے اور ابو الہیثم بن تیہان کے درمیان اسلامی بھائی چارہ قائم کیا۔ طبقات میں ابن سعد ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ابو الہیثم دورِ جاہلیت میں بھی بتوں کو ناپسند کرتے تھے اور انھیں ان سے گھن آتی تھی اور وہ اس وقت بھی توحید کے قائل تھے۔ وہ انصار میں سے سب سے پہلے مکہ میں اسلام لائے۔ آپ کا شمار ان آٹھ افراد میں ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اپنی قوم سے پہلے ایمان لائے۔ مکہ میں اسلام قبول کر کے مدینہ آئے اور پھر یہیں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔''[1]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نہایت باحیا اور شرمیلے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''بے شک عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت ہی شرم و حیا والے ہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے: ''حیا ایمان کا حصہ ہے''[3] اور جو لوگ بے حیا ہوتے ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔

[1] الطبقات الكبرىٰ:3/448. [2] الطبقات الكبرىٰ:3/493. [3] سنن النسائي، حديث:5006.

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بہت سے اوصاف جمیلہ کے مالک تھے۔ آپ نہایت عبادت گزار اور زاہد انسان تھے۔ آپ کا اکثر وقت رب تعالیٰ کا تقرب اور اس کی رضا حاصل کرنے میں گزرتا، اگرچہ مطلوب یہی ہے کہ انسان اپنے رب کی رضا مندی حاصل کرے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان راہبانہ زندگی گذارے اور دنیا اور دنیا والوں سے کٹ جائے اور تعمیر کائنات میں کوئی کردار ادا نہ کرے اور نہ انسانیت کی بھلائی کا کام کرے۔

ضروری ہے کہ انسان کے ذہن میں یہ بات رہے کہ ہر وہ کام جس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو وہ عبادت ہے اور آدمی اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔

ابو اسحاق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئیں تو انھوں نے اسے نہایت ہی پراگندہ حالت میں دیکھا۔ امہات المومنین نے اس سے پوچھا: ''تجھے کیا ہوا ہے؟ قریش میں کوئی اتنا مال دار نہیں ہے جتنا آپ کا خاوند ہے۔''

انھوں نے کہا: ''اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ رات حالت قیام میں اور دن روزے کی حالت میں گزارتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا میں تمھارے لیے نمونہ نہیں ہوں؟''

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیوں نہیں! آپ میرے لیے نمونہ ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آئندہ ایسا مت کرنا۔ تمھاری آنکھوں کا، تمھارے جسم کا اور تمھاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ رات کو نماز بھی پڑھو اور نیند بھی کرو، روزہ بھی رکھو اور چھوڑا بھی کرو۔''

ابواسحاق فرماتے ہیں: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئیں تو دلہن سی بنی ہوئی تھیں۔ امہات المومنین نے دریافت کیا: ''یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟'' تو انھوں نے کہا: ''اب ہمیں بھی وہی مقام حاصل ہے جو دوسرے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔'' [1]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فوراً رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ اسلام میں نہ تو رہبانیت ہے اور نہ عبادت سے انحراف۔ اسلام دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ وہ لوگ جو صرف عبادت میں غرق رہتے ہیں، اپنے بیوی بچوں سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ وہ خود اپنے حقوق، اپنے بیوی بچوں اور اسلام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

ایک حقیقی مسلمان ایسا نہیں کرتا، وہ اپنے دین کی تعلیمات اپناتا ہے۔ رب تعالیٰ کی شریعت اپنے اوپر نافذ کرتا ہے۔ وہ محنت و معاش کو اتنا وقت نہیں دیتا کہ عبادت و زہد سے عاری ہو جائے اور نہ ہی وہ عبادت و ریاضت میں اتنا مگن ہوتا ہے کہ بس اسی میں مستغرق رہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہ اس وقت تک آخرت کی کھیتی نہیں بن سکتی جب تک سنجیدگی اور استقلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ کی جائے اور ان اوقات میں اللہ تعالیٰ

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/395.

کا تقرب حاصل نہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں اور اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں۔

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ سیدہ ام العلاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے گھر میں بیمار ہوئے، ہم نے ان کی دیکھ بھال کی اور جب فوت ہوگئے تو ہم نے کفن پہنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: ''ابوالسائب! تمھیں جنت مبارک ہو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح عزت افزائی فرمائی ہے؟'' میں نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نہیں جانتی، اللہ کے رسول! آپ بتایئے کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ فوت ہو چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی والا معاملہ فرمائیں گے۔ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن اس کے باوجود یہ نہیں جانتا کہ کل قیامت کے روز میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔'' فرمانے لگیں: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کیا آپ بھی؟ اللہ کی قسم! آج کے بعد میں کسی کے بارے میں ایسا نہیں کہوں گی۔''

وہ مزید فرماتی ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو مجھے دکھ ہوا۔ جب میں رات کو سوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک جاری چشمہ ہے۔ میں نے یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اس کا عمل ہے۔'' [1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1] الطبقات الكبرٰى: 398/3، و صحيح البخاري، حديث: 3929.

"سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنی طبعی موت فوت ہوئے اور شہادت سے سرفراز نہیں ہوئے تو میرے دل میں ان کے بارے میں میرے جذبات کافی حد تک تبدیل ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: "انھیں دیکھو تو ہم سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت تھے لیکن موت بستر پر آئی ہے اور شہید نہیں ہوئے۔" عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ قدر و منزلت میرے دل ہی میں رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ تب میں نے اپنے آپ سے کہا: تیری بربادی ہو! افضل ترین لوگ بھی تو بستر پر فوت ہوتے ہیں، پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی طبعی موت فوت ہوئے تو میں نے پھر کہا: تجھ پر افسوس ہو! تجھ سے بہتر لوگ بھی بستر پر فوت ہوتے ہیں، چنانچہ میرے دل میں عثمان رضی اللہ عنہ کا وہی مقام پیدا ہو گیا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فوت ہونے والے صحابہ کے لیے قبرستان کی جگہ تلاش کر رہے تھے، اس مقصد کے لیے آپ ایک مرتبہ مدینہ اور اس کے اطراف و اکناف میں گئے۔ ایک جگہ رک کر آپ نے فرمایا: "مجھے اس جگہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے بقیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔"

مذکورہ قبرستان میں سب سے پہلے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر سر کے برابر ایک پتھر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یہ ہمارے پیش رو ہیں۔"

چنانچہ بعد میں جو شخص بھی فوت ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جاتا کہ اسے

[1] الطبقات الکبریٰ: 3/399.

کہاں دفن کرنا ہے تو آپ فرماتے: ''ہمارے پیش رو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے قریب۔''

عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

''اے میری بیٹی! ہمارے بہترین ساتھی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں چلی جا۔''

یزید بن ہارون نے اپنی حدیث میں کہا: عورتیں رونے لگیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں کوڑے کے ساتھ مارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''عمر رک جاؤ۔'' پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تمھیں رونے کی اجازت ہے لیکن شیطان کی طرح آوازیں مت نکالنا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے۔ محبوب اور پیاروں کی جدائی پر آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔

حقیقت میں انسان احساسات اور جذبات کا مجموعہ ہے۔ وہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے معاشرت پسند ہے، مل جل کر رہنے میں اسے اطمینان اور راحت محسوس ہوتی ہے۔ ہر ذی روح کا انجام آخر موت ہے اور ہر ایک کا وقت مقرر ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا حتی کہ وہ لوگ بھی جن کے دلوں کو بسبب ان کے گناہوں کے اللہ تعالیٰ نے بگاڑ دیا ہے۔ اب نہ تو وہ حق کو قبول کرتے ہیں اور نہ نور ایمان کی انھیں کچھ معرفت حاصل ہے۔

ایک اچھا انسان اپنے محبوب کی مفارقت اور جدائی پر ضرور رنجیدہ ہوتا ہے اور یہ تصور کہ وہ اب دوبارہ اس دنیا میں اپنے محبوب کو نہیں دیکھ سکے گا، اسے رلا دیتا ہے۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ: 399/3.

اس کے برعکس وہ انسان جس کا دل جامد ہو چکا ہو اس کے اندر احساسات و جذبات نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ اسے نہ تو کسی سے محبت و شفقت ہوتی ہے اور نہ کسی کی جدائی پر غم ہوتا ہے اور نہ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ ایسے انسان جانداروں سے زیادہ جمادات کے مشابہہ ہوتے ہیں اور شیطان کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کا اپنے رب پر ایمان ہے اور وہ اس کی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق بھی کرتے ہیں وہ روز قیامت ایسی اعلیٰ جنت میں ہوں گے جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یہ جنت متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

لیکن ....غم فراق کتنا دشوار ہوتا ہے............ اور سفر آخرت کتنا لمبا ہے...... ......اور جدائی کا ذائقہ کتنا کڑوا ہوتا ہے۔



اسباب نزول

سعید بن مسیب رحمہ اللہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ترک دنیا کی اجازت نہیں دی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اجازت مرحمت فرماتے تو وہ اپنے آپ کو خصی کر لیتے۔ عائشہ اپنے باپ قدامہ سے، وہ اپنے بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! جنگوں میں بیوی سے دور رہنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ کیا آپ اجازت دیں گے، میں خود کو خصی کر لوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، میں تمھیں خصی ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ ابن مظعون! روزے رکھا کرو، اس سے شہوت میں کمی آتی ہے۔''[1]

جامع ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھالوں تو میری شہوت بہت بڑھ جاتی ہے، اس لیے میں نے خود پر گوشت کو حرام کر لیا ہے۔[2]

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

---

[1] معجم الصحابة لابی القاسم، حديث:1792: 4/146. [2] جامع الترمذي، حديث:3054.

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو۔''[1]

مفسرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ و نصیحت کی اور قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ کیا۔ اس دن آپ نے صرف جہنم سے ڈرایا۔ جنت کی نعمتوں کا تذکرہ نہ کیا۔ لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے، چنانچہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
② سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
④ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما
⑤ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ
⑧ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
⑨ سیدنا معقل بن مقرن رضی اللہ عنہ
⑩ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

مذکورہ دس افراد جمع ہوئے اور انھوں نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ آج کے بعد وہ دن کو روزہ رکھیں گے، رات کو قیام کریں گے اور سوئیں گے نہیں۔ گوشت نہیں پکائیں گے اور نہ ہی چربی استعمال کریں گے۔ عورتوں کے قریب نہیں جائیں گے، خوشبو استعمال نہیں کریں گے، کھردرے کپڑے پہنیں گے، دنیا کو چھٹک دیں گے، زمین میں پھیل جائیں گے، راہبانہ زندگی اختیار کریں گے اور مجالس ذکر کو پسند کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سب کو بلایا اور پوچھا:

[1] المآئدة 87:5.

’’ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں۔‘‘

انھوں نے عرض کی: جی ہاں، آپ کو درست خبر ملی ہے، ہمارا صرف خیر کا ارادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے ان باتوں کا حکم نہیں ملا، خبردار! تمھاری جانوں کا تم پر حق ہے، روزے ضرور رکھو لیکن وقفے کے ساتھ، رات کو قیام کرو لیکن نیند بھی کرو، مجھے دیکھو، میں قیام اللیل بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ رکھتا بھی ہوں لیکن بعض اوقات نہیں بھی رکھتا۔ میں گوشت اور چکنائی بھی استعمال کرتا ہوں، سن لو! جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ دوسرے لوگوں کے پاس آئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

’’لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ پر عورتیں، کھانا، خوشبو، نیند اور دنیا کی خواہشات کو حرام کرلیا ہے، خبردار! میں تمھیں پادری اور راہب بننے کا حکم نہیں دیتا۔ میرے دین میں عورتیں اور گوشت چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں، چرچ بنانا بھی میری شریعت میں نہیں۔ میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور رہبانیت جہاد ہے۔ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو، حج اور عمرہ کرو، نماز کو قائم کرو اور زکاۃ پابندی سے ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، تم سے پہلی امتیں اسی تشدد کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔ جب انھوں نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اسی طرح سختی ڈال دی، پس ان معبد خانوں اور چرچوں میں (ابھی تک) انھی لوگوں میں سے باقی ماندہ ہیں۔‘‘

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مذکورہ دس حضرات نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب ہماری ان قسموں کا کیا بنے گا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

''اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''[2]

[1] المآئدة 87:5. [2] المآئدة 89:5.



ضمیمہ

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت صرف نماز ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج ادا کرنے اور بعض دیگر نوافل و واجبات ادا کرنے کا نام ہے، چنانچہ ان کے نزدیک جب انسان ان ارکین خمسہ پر مواظبت کرے تو گویا اس نے اپنی عزت اور خون محفوظ کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ عبادات ارکان اسلام میں سے ہیں، ان میں سے کسی ایک کا انکار یا جان بوجھ کر چھوڑنا اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

اسلام میں عبادت کا حقیقی تصور اس سے کہیں بڑا اور محیط ہے۔ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔ جنت سے اسی لیے اتارا گیا تھا کہ اس کائنات کو آباد کرے اور زندگی کی حرکت کو باقی رکھے۔ اور انسان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل سے اور ہر پیشے سے، جسے بھی وہ اپنائے، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرے۔ جب انسان یہ کام اس تصور سے کرے گا تو یہ بھی عبادت شمار ہو گی۔

وہ طالبان علم جو اپنے مدارس اور مساجد میں بیٹھے علم حاصل کرتے ہیں اور علمی نظریات اور افکار کے ذریعے سے تعمیر کائنات کی کوشش کرتے ہیں اور زندگی کی گاڑی کا پہیہ آگے کو دھکیلتے ہیں وہ عبادت ہی میں مشغول ہوتے ہیں، فرشتوں نے ان کو ڈھانپا ہوتا ہے اور ان پر سکینت نازل ہو رہی ہوتی ہے۔

فرمان نبوی ہے:

''جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر علم حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، اللہ کی رحمت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔''[1]

اسی طرح وہ کسان جو صبح سویرے اپنے کھیت کی طرف جاتا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، کھاد پانی دیتا ہے، یہ سب کام عبادت ہیں اور ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

''وہ مسلمان جو کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے پھر اس سے پرندے، انسان اور دوسرے جانور کھاتے ہیں تو یہ اس کی طرف سے صدقہ ہوتا ہے۔''[2]

اسی طرح وہ شخص جو اپنے کارخانے میں بیٹھ کر آلات تیار کرتا ہے، اپنی مشینوں کو حرکت دیتا ہے اور پھر انھی آلات کو انسان کے آرام اور فلاح و بہبود کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس کا یہ عمل عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ہاتھ کا بوسا لیا جو کثرت سے کام کی وجہ سے سوج چکا تھا اور آپ نے فرمایا:

''یہ وہ ہاتھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔''[3]

اسی پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ زمین کی سیر و سیاحت، آسمانوں کے عجائبات کی

---

[1] جامع الترمذي، حديث:3380. [2] صحيح البخاري، حديث:2320. [3] تفسير الشعراوي، الكهف:33.

جستجو، ستاروں اور کہکشاؤں پر کمند ڈالنا، بیماروں کے علاج کے لیے ادویات دریافت کرنا، بیماریوں اور جراثیم پر ریسرچ کرنا تاکہ انھیں ختم کیا جا سکے اور انسانیت کو ان کے مضر اثرات سے بچایا جا سکے۔ اگر یہ سب کام محض اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دیے جائیں تو یہ بھی عبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔

اسی طرح اسلامی ریاست کی حفاظت کے لیے اس کی سرحدوں پر پہرہ دینا تاکہ حملہ آوروں سے اپنی قوم کی جان کی حفاظت ممکن ہو اور دشمن کی سازشوں کو ناکام بنا دیا جائے تو یہ بھی عبادت ہے اور ایسے شخص کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

پیارے نبی ﷺ حضرت محمد ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''دو آنکھیں ایسی ہیں جنھیں آگ نہیں چھو سکے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتی ہے۔''[1]

جب صورت حال یہ ہے تو اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ ہی سستی اور کاہلی کی کوئی جگہ باقی رہتی ہے۔ اسلام عمل پیہم کا نام ہے جس کے ذریعے سے تعمیر کائنات ممکن ہو سکے اور انسان زمین میں اپنی خلافت صحیح معنوں میں ثابت کر سکے۔ کسی بھی فرد کے لیے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ اس پر جتنی نمازیں اور جتنے روزے مشروع ہیں ان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے جبکہ نفلی عبادت اسے اس کے ذاتی کام اور دیگر واجبات سے مشغول کر رہی ہو۔

اسی طرح کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اوپر کسی چیز کو حلال یا حرام کر

[1] جامع الترمذی، حدیث: 1639.

دے یا کسی عمل کو اپنے اوپر لاگو کر دے یا اسے ترک کر دے۔ یہ سب کام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات سے ہیں کیونکہ یہ اللہ ہی ہے جو پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے، اس لیے کسی انسان کے لیے لائق نہیں کہ وہ ان طیبات کو، جو اس کے لیے اور اس کی زندگی کے لیے مفید ہیں، حرام ٹھہرائے، اس لیے کہ زندگی اور حیات کے بارے میں اس کی بصیرت اس کنہ اور تہہ تک نہیں پہنچ سکتی جہاں اس حکیم و بصیر کی بصیرت پہنچ سکتی ہے جس نے ان پاکیزہ اشیا کو حلال کیا ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان اشیا میں کوئی شر یا نقصان جانتا تو اپنے بندوں کو ان سے ضرور بچاتا اور اگر ان کے حرام کرنے میں کوئی خیر ہوتی تو وہ انھیں قطعاً حلال نہ کرتا۔

یہ دین تو آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ تمام انسانیت کے لیے ہر قسم کی بھلائی اور خیر، مناسب توازن وتناسق کو ثابت کرے، چنانچہ اسلام انسان کی فطری حاجات اور خواہشات کو بالکل نہیں دباتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلام رہبانیت کے مخالف ہے کیونکہ رہبانیت فطرت کو دبانے اور مسخ کرنے کا نام ہے۔ رہبانیت طاقت کو موقوف کرنے اور زندگی کے نمو کو روکنے کا نام ہے جبکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا، اس لیے اللہ تعالی نے ہر قسم کی پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے سے روکا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں زندگی کی افزائش اور اس کی تجدید کے عوامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی اس لیے پیدا کی ہے تاکہ اس میں بڑھوتری اور تجدد پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے منہج کے ماتحت رہتے ہوئے ترقی پائے۔

رہبانیت اختیار کرنا اور طیبات کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے اس منہج کے خلاف ہے جو اس کا زندگی کے بارے میں ہے کیونکہ رہبانیت میں زندگی ایک نکتے پر جا کر رک جاتی

ہے جبکہ اسلام ترقی، بڑھوتری اور ارتقاع کو چاہتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا منہج ہے۔ اور یہی عین فطرت کے موافق ہے۔

کائنات کی آباد کاری اور زندگی کی گاڑی کو آسان تر کرنا اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بہت سے کاموں میں شرکت فرمایا کرتے تھے چنانچہ جب مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کافر جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے اپنے دفاع کے لیے مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودی۔ خندق کی کھدائی میں رسول اللہ ﷺ نے بھی حصہ لیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خندق کی کھدائی والے دن رسول اللہ ﷺ مٹی نکال رہے تھے اور آپ کا جسم مٹی سے غبار آلود تھا اور آپ فرما رہے تھے:

''اللہ کی قسم! اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ! تو ہم پر سکینت نازل فرما اور دشمن سے مقابلے کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔ کفار نے ہمارے خلاف جنگ مول لی ہے جب یہ کوئی فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ان کی نہیں مانتے۔'' [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے اور اپنی کمروں پر مٹی ڈھو ڈھو کر باہر پھینک رہے تھے، اس وقت وہ کہتے جا رہے تھے:

''ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد سے مرتے دم تک اسلام کے لیے بیعت کی ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ انھیں ان الفاظ میں جواب دے رہے تھے:

''اصل بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔ اے اللہ! تو انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما۔'' [2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4104. [2] صحيح البخاري، حديث: 2835.

حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے بڑھ کر بہادر اور دلیر تھے۔ ایک دفعہ اہل مدینہ کسی آواز کی وجہ سے گھبرا گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس جگہ سے ہو کر آئے، آپ ایک گھوڑے پر سوار تھے، آپ نے واپس آ کر فرمایا: بھئی! ہم نے تو اس گھوڑے کو سمندر کی طرح پایا ہے (یعنی بہت تیز رفتار ہے)۔" [1]

ہم ایک نظر سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زندگی پر ڈالتے ہیں۔ انھوں نے پاکیزہ اور طیبات کو اپنی ذات پر حرام کر دیا تھا۔ دین کے بارے میں نہایت سختی اختیار کر لی تھی دن کو روزہ رکھتے اور رات مصلے پر گزارتے۔ اس عمل کا ان کی بیوی پر منفی اثر ہوا۔ ہوا یہ کہ ان کی بیوی نے دنیا کی زیب و زینت ترک کر دی اور جس طرح بیویاں اپنے خاوندوں کے لیے کشش پیدا کرنے کے لیے خوشبو لگاتی ہیں، میک اپ کرتی ہیں اور حسین و جمیل بنتی ہیں، یہ چیزیں انھوں نے چھوڑ دیں حتی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اسے محسوس کر لیا، چنانچہ انھوں نے اسے ملامت کیا اور تنبیہ کی کہ بناؤ سنگھار میں اس طرح کی سستی اچھی نہیں ہوتی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی اس موقع پر بہت سے بہانے بنا سکتی تھی، مثلاً: گھر کے کام بہت ہوتے ہیں، بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے۔

لیکن اس ایماندار اور صابرہ خاتون نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے سامنے حقیقت بیان کر دی اور اپنا عذر پیش کر دیا کہ کس وجہ سے وہ میک اپ وغیرہ نہیں کرتیں، انھوں نے کہا:

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 2307، و صحيح البخاري، حديث: 2908.

"میں کس کے لیے میک اپ کروں؟ عثمان دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو
مصلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

واقعی اگر خاوند کے لیے نہیں تو پھر کس کے لیے میک اپ کیا جانا چاہیے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو دین اور عبادت کے معاملے میں شدت اختیار کر رکھی تھی جبکہ آج لوگوں کی اکثریت مال و دولت کی حرص اور ہوس کی وجہ سے اپنے واجبات سے بیگانہ ہے، وہ اپنے بیوی بچوں کو کم ہی وقت دیتے ہیں بلکہ کوئی اہمیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ جب وہ ان کے لیے کھانا پینا، لباس اور دوسری ضروریات زندگی مہیا کر رہے ہیں تو گویا وہ بیویوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں۔

بیوی کے بارے میں یہ سستی اور مشغولیت بسا اوقات بہت سے نقصانات کا موجب بنتی ہے۔ ان میں سے ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ بیوی صرف اپنے ہی لیے جیتی ہے یا پھر ایسا آدمی تلاش کرتی ہے جو اس کی طرف مائل ہو۔ ہمارے اس مخلوط اور آزاد معاشرے میں مؤخر الذکر نقصان کے زیادہ امکان ہیں۔

یا پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا بھی خیال نہیں رکھتی۔ گھر میں وہ ایک مردہ چیز کی طرح ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے گھر کی رونق اور خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔

خاوند حضرات اس حقیقت کو کب سمجھیں گے؟ اپنے آپ کو مصروف ترین سمجھنے والے شوہر کب اس بات کی طرف توجہ دیں گے کہ ان کی خوشیاں اور رونقیں واپس آسکیں اور ہر بیوی اپنے ہی خاوند کے لیے میک اپ کرے۔ اور ہم بیویوں کی آنکھوں میں خوشی اور مسرت محسوس کریں اور ہر بیوی کی زبان پر وہ کلمہ جاری ہو جو عثمان رضی اللہ عنہ کے توجہ دینے کے حوالے سے ان کی زوجہ محترمہ نے بولا تھا:

"اب ہمیں بھی وہ مقام مل گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہے۔"

چوتھی آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾

’’مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔‘‘ [1]



[1] الأحزاب 23:33.



آیت کے نزول کے متعلق علماء کے اقوال

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دیکھیے:

الدرالمنثور: 181/5

تفسیر ابن کثیر: 475/3،

تفسير القرطبي: 159/14

تفسير الطبري: 93/21

صحيح البخاري، حديث: 2805.

جامع الترمذي، حديث:3200.



حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک بارعب اور منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ آپ نے میدان جنگ میں گھوڑے کی پیٹھ پر جام شہادت نوش کیا۔

ایسے مومن کہ اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ سچ کر دکھایا۔

ایسے مسلمان کہ ایمان دل کی گہرائیوں تک سرایت کر چکا تھا اور نور ایمان نے ان کے ماحول کو منور کر دیا تھا۔

آپ کا تعلق انصاری قبیلے بنونجار سے تھا۔ وہ قبیلہ جس نے محمد ﷺ کی دعوت کو سنتے ہی رخت سفر باندھا اور میلوں کا سفر طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجلس ہوئی تو انھوں نے عرض کی: اے محمد! اپنی دعوت پیش کیجیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان لینا چاہتے ہیں لے لیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے تلاوت کلام پاک سے آغاز کیا، دعوت الی اللہ پیش کی اور اسلام کی طرف راغب کیا، پھر آپ نے فرمایا: ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میرا اسی طرح دفاع کرو گے جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کا دفاع کرتے ہو۔''

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا: جی ہاں۔ قسم اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے! ہم آپ کا اسی طرح

بچاؤ کریں گے جس طرح ہم اپنے اہل وعیال کا کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں اور ہمارے پاس اسلحہ بھی ہے۔ یہ چیزیں تو ہمیں ورثہ میں ملی ہیں۔

ابوالہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا وہ ہم آپ کی خاطر کالعدم کرتے ہیں۔ کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کر دے، پھر آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں۔

یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا:

''نہیں! اب جینا مرنا تمھارے ساتھ ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جو تمھارے دشمن وہ میرے بھی دشمن اور جو تمھارے دوست وہ میرے بھی دوست ہیں۔''[1]

نئی دعوت کے آغاز میں انصار کا یہ جذبہ تھا تو بعد میں انھوں نے اسلام کو کتنی جان نثاری سے تقویت دی ہوگی؟

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ انھی انصار میں سے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار دوسری میں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ! انصاریوں پر رحم فرما۔ انصار کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما۔''[2]

[1] الكامل لابن الأثير:2/99، والبداية والنهاية:3/176. [2] السيرة النبوية لابن هشام:4/148، وصحيح البخاري، حديث:4333، و مسند أحمد:3/76.

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ حارثہ بن سراقہ کی ماں تھیں جو رسول اللہ کے سامنے شہید ہوئے تھے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! مجھے میرے بیٹے حارثہ کے انجام کے بارے میں بتائیں۔ اگر وہ جنتی ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور اگر اس کا ٹھکانا کہیں اور ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کتنا روتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام حارثہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سی جنتیں ہیں اور حارثہ تو فردوس اعلیٰ میں ہے۔'' [1]

آپ کے بھتیجے کا نام انس بن مالک تھا۔ یہ وہی ہیں جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:

''اے اللہ اسے مال اور اولاد عطا فرما۔ اور برکت دے۔''

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: میں انصار کا امیر ترین شخص ہوں اور میری اولاد بھی سب سے زیادہ ہے۔ [2]

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے جب مدینہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور فرمان بڑے غور سے سنتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپناتے تھے۔

جب غزوۂ بدر پیش آیا۔ اور غزوۂ بدر وہ غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کو بڑی زور دار فتح حاصل ہوئی اور کفار و مشرکین کو منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب:4/1838، و صحيح البخاري، حديث:3982. [2] صحيح البخاري، حديث:1982.

نصرت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

”اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ (اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ آئے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جن کو (خاص) نشان لگے ہوں گے اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوشخبری بنادیا تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو۔ مدد اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے۔“ [1]

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے اور انھیں اس محرومی کا بہت دکھ ہوا کہ وہ حق و باطل کے پہلے ہی معرکے میں حاضر نہیں ہوسکے، ان کے لیے ناقابل برداشت تھا، تاہم آئندہ جلد ہی کافروں کے خلاف جنگوں اور معرکوں میں شمولیت کا خیال انھیں تسلی دیتا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ!

[1] آل عمران 3:123-126۔

حق وباطل کا پہلا معرکہ جس میں آپ نے مشرکین کے خلاف جہاد کیا، میں اس میں شریک نہیں ہوسکا۔ اب اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف جہاد کا موقع دیا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کس طرح بہادری سے لڑتا ہوں۔“ [1]

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے خلاف معرکہ آرائی کا اتنی شدت سے انتظار تھا کہ انھیں دن لمبے نظر آتے اور وہ سوچتے کہ پتا نہیں کب وہ دن آئے گا جس میں انھیں شہادت نصیب ہوگی یا پھر اللہ اپنی مدد سے مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔

چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ قریش مکہ نے اس کے بارے میں غور خوض شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں سے بدر کا انتقام کیسے لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی مدینہ کی طرف پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا:

”میں نے خواب میں بہت سی گائیں دیکھی ہیں اور میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ ہمیں بھلائی نصیب ہوگی اور میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کند ہو چکی ہے۔ خواب میں میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں ڈالتے دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر میں نے مدینہ منورہ کی ہے۔ اگر تم چاہو تو مدینہ ہی میں رہو اور انھوں نے جہاں پڑاؤ ڈالا ہوا ہے انھیں وہاں ہی رہنے دو۔ اگر وہ وہاں رہیں گے تو انتہائی نامناسب جگہ رہیں گے اور اگر وہ یہاں تک پہنچ گئے تو ہم مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ان سے جنگ کریں گے۔“ [2]

وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے غزوۂ بدر میں حصہ نہیں لیا تھا، کہنے لگے (حضرت

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 108/1، وصحيح البخاري، حديث: 4048. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 7/3، والمستدرك للحاكم، حديث: 2588.

انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے) اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں ہمارے دشمن کی طرف لے چلیں تاکہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ ہم بزدل یا کمزور ہیں۔

اس کے برعکس رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مدینہ ہی میں رہیے۔ اللہ کی قسم! ہم جب بھی اس مدینہ سے نکل کر دشمن سے جا کر لڑے ہیں ہمیں نقصان ہی ہوا ہے اور جب بھی کسی دشمن نے مدینہ میں آ کر ہم پر حملہ کیا ہے اسے شکست ہی ہوئی ہے۔ اے اللہ کے رسول! جہاں انھوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا ہے انھیں وہیں رہنے دیں۔ اگر وہ اسی جگہ پر رہے تو جنگی نقطۂ نظر سے وہ انتہائی نامناسب جگہ ہے اور اگر وہ یہاں آ کر ہم پر حملہ آور ہوئے تو مرد ان سے تلوار سے لڑیں گے، عورتیں اور بچے اوپر سے پتھر برسائیں گے اور اگر وہ وہیں سے واپس ہوئے تو وہ ناکام اور نامراد ہو کر لوٹیں گے۔''

اس رائے پر حضرت حمزہ اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما نے اتفاق نہ کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما وغیرہ عبداللہ بن ابی کے خلاف بھڑک اٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ اپنے گھر تشریف لائے۔ زرہ زیب تن کی اور قتال کے لیے نکل پڑے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ میدان معرکہ میں وارد ہوئے تو فرمایا:

''کون ہے جو مجھ سے یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کر دے گا! بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ تلوار لینے کے لیے کھڑے ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو عنایت نہ کی۔''

حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ، جن کا تعلق بنو ساعدہ سے تھا، کھڑے

ہوئے اور پوچھا: یارسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ''اس تلوار کو دشمن پر اتنا چلاؤ کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

''میں اس کو لے کر اس کا حق ادا کروں گا۔'' حضرت ابودجانہ نے کہا۔''

آپ نے وہ تلوار انھیں تھما دی۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور دلیر انسان تھے۔ لڑائی کے وقت غرور سے چلتے، چنانچہ جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لے لی تو انھوں نے ایک سرخ پٹی اپنے سر پر باندھی اور صفوں کے درمیان اترا کر چلنے لگے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

''اس جیسے موقعوں کے سوا یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔''

پھر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں وہی ہوں جس سے دامن کوہ کے نخلستان میں میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد و پیمان لیا تھا کہ کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی عطا کردہ تلوار کیا ہی خوب چلتی ہے! بلکہ میں کھڑے ہو کر آخری صف تک برابر مقابلہ کرتا رہوں گا۔''

چنانچہ جو مشرک بھی ان کے سامنے آتا اس کا کام تمام کر دیتے۔ اس لمحے مشرکین میں سے ایک آدمی مسلمانوں کے زخمی سپاہیوں کو قتل کر رہا تھا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ اُس کی طرف بڑھے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان دونوں کا آمنا سامنا ہو جائے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مشرک

نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ پر تلوار چلائی تو ابودجانہ نے اپنی تلوار سے بچاؤ کیا۔ مشرک کی تلوار بھی ڈھال میں اٹک گئی۔ اب ابودجانہ نے اس پر تلوار چلائی اور اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک انسان کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو بڑے زور سے جوش دلا رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا میں نے جب اس پر تلوار چلائی تو اس نے چیخ مار کر واویلا کیا۔ اب پتا چلا کہ یہ تو عورت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو محترم جانا کہ اس سے کسی عورت کو قتل نہ کروں۔ [1]

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ انھیں ابن قمہ لیثی نے شہید کیا۔ اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شکل وصورت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے۔

اس جنگ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح رضی اللہ عنہ نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے مسافع بن طلحہ اور اس کے بھائی جلاس بن طلحہ کو جہنم رسید کیا۔ جب اسے زخمی حالت میں اس کی ماں کے پاس لایا گیا تو اس نے پوچھا: میرے بیٹے کو کس نے مارا ہے؟ اس نے کہا: مارنے والے نے جب مجھے تیر مارا تو وہ کہہ رہا تھا: یہ تیر لو! میں ابن ابی الاقلح ہوں۔"

چنانچہ اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے غلبہ دیا اور مجھے عاصم کا سر ملا تو میں اس میں شراب پیوں گی۔" [2]

مسلمانوں اور کافروں کے مابین بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حضرت حمزہ، علی اور

---

[1] الكامل لابن الأثير: 152/2، والبداية والنهاية: 19/4. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 20/3.

ابو دجانہ رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی صفوں میں پیش پیش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور آخر کار مشرکین کو رسوا کن شکست کا سامنا کرنا پڑا، ان کی عورتیں چیختی چلاتی پہاڑوں میں چھپ گئیں، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے معسکر تک جا پہنچے۔

یہ صورت حال جب درے پر مقرر تیر اندازوں نے دیکھی تو وہ اپنی گھاٹ کو چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے۔ تاہم ان میں سے کچھ وہیں پر ثابت قدم رہے اور انھوں نے کہا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے اور یہیں پر ٹکے رہیں گے اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا:

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾

''تم میں سے کچھ وہ ہیں جو دنیا کے طالب ہیں اور کچھ آخرت کو چاہتے ہیں۔''[1]

جب تیر انداز اپنے مورچوں سے دور ہوئے تو خالد بن ولید جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے اور کافروں کی طرف سے لڑ رہے تھے، نے اس موقع کو غنیمت جانا اور باقی ماندہ تیر اندازوں پر حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیا۔ مشرکین نے جب اپنی ہمت سنبھلتی دیکھی تو انھوں نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور مسلمانوں کے ستر مجاہد شہید ہوگئے۔

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ حضرت عمر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جو دوسرے مہاجرین کے ہمراہ غم سے نڈھال بیٹھے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کس لیے بیٹھے ہو؟ انھوں نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا: آپ ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔

---

[1] آل عمران 3:152.

حضرت انس رضی اللہ عنہ: ''تو پھر تم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی اس کے لیے جان دے دو جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سنی تو کہنے لگے: ''کاش! کوئی ایسا شخص ہوتا جو عبداللہ بن ابی سے کہہ کر ابوسفیان سے ہماری جان بخشی کرواتا۔''

یہ باتیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سنیں تو کہنے لگے: ''اے میری قوم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں تو ان کا رب تو زندہ ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جس دن مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہا: ''اے اللہ! میں اپنے ساتھیوں کے اس موقف سے بری ہوں اور مشرکین کے کردار سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔''[1]

اس کے بعد انھوں نے اپنی تلوار کو تھاما اور میدان میں کود پڑے۔ اسی دوران میں ان کی ملاقات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے سعد! مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! مجھے اُحد کے قریب جنت کی خوشبو آرہی ہے، جنت کی خوشبو کے کیا ہی کہنے!''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت انس بن نضر کو شہیدوں میں پایا۔ انھیں تلوار، تیر اور نیزے کے 80 سے زائد زخم لگے اور ان کا مثلہ بھی کیا گیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ہم انھیں پہچان نہ سکتے تھے۔ ان کی بہن نے انھیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔''[2]

---

[1] جامع الترمذي، حديث:3201. [2] حلية الأولياء: 121/1، وصحيح البخاري، حديث:2805.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کہا کرتے تھے کہ قرآن پاک کی آیت:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

انس بن نضر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اور انھیں اپنی وسیع جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین!





اسباب نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ، یاد رہے کہ میرا نام انس بھی انھی کے نام پر رکھا گیا تھا، غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس بات کا انھیں بہت دکھ ہوا، چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عزم کرتے ہوئے کہا:

''یہ میری محرومی ہے کہ میں اسلام کے اولین معرکے میں، جس کی قیادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، حاضر نہ ہوسکا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے کبھی جہاد کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کتنی بہادری سے لڑتا ہوں۔''

غزوۂ احد میں جب مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو انھوں نے کہا:

''اے اللہ! میں اپنی قوم کے اس موقف سے اور کافروں سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔''

اس کے بعد انھوں نے تلوار ہاتھ میں لی اور میدان جنگ میں کود پڑے۔ اتنے میں ان کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے سعد! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے احد کے پاس سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔'' پھر انھوں نے بڑی زور دار لڑائی لڑی۔ آخر کار شہید ہوگئے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے انھیں مقتولین میں اس حالت میں پایا کہ ان کے جسم پر تیر، نیزے اور تلوار کے اسی سے زائد زخم تھے۔ ان کا مثلہ بھی کیا گیا تھا۔ ہم انھیں پہچان نہیں سکے۔ ان کی بہن نے انھیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے کیا معاہدہ سچ کر دکھایا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم کہا کرتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔[2]

جامع ترمذی میں اس سے کچھ اختلاف کے ساتھ یہ روایت منقول ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کہا کرتے تھے کہ آیت:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[3]

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 1903. [2] صحيح البخاري، حديث: 4783. [3] جامع الترمذي، حديث: 3201.



ضمیمہ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ ﴾

"سرپٹ دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی قسم پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی۔ پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والوں کی، پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت وہ (دشمن کی) جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں!!!" [1]

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں اور ان کی ہنہناہٹ، ان کے دوڑنے سے اٹھنے والی گرد اور آگ کی قسم کھائی ہے کیونکہ یہ چیزیں مرد جنگ اور سپاہیوں کے لیے حوصلہ مند ثابت ہوتی ہیں اور اسی بات کی تائید کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾

"تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت و قوت تیار رکھو اور گھوڑوں کو تیار رکھو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو گے۔" [2]

---

[1] العٰدیٰت 100:1-5. [2] الأنفال 8:60.

لہٰذا جو قوم گھڑسواری جانتی ہے وہ ہزیمت وشکست سے محفوظ رہتی ہے۔

اور وہ قوم جو گھوڑوں کے قدموں سے اٹھنے والے گردو غبار کو سحری کے وقت جھاڑتے ہیں وہ دشمن کو زیر کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی دشمن پر حملہ کرنا چاہتے تو رات بھر سفر کرتے اور صبح ہوتے ہی دشمن کو جا لیتے کیونکہ یہ غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۝ ﴾

"پھر جب وہ ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی۔"[1]

دشمن کی صبح ان کے لیے بری ثابت ہوتی کیونکہ وہ صحابہ کی طرح ایمان نہیں لائے اور نہ ہی قرآنی تعلیمات کی اقتدا کی۔ مزید برآں وہ مدرسۂ نبوت کے تربیت یافتہ بھی نہیں ہوتے تھے۔

اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کے متبعین کی حالت کچھ اور تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری ایام میں فرماتے ہیں:

"ایک وہ رات جس میں میں اپنی محبوب دلہن کے ساتھ سہاگ رات گزاروں یا وہ رات جب مجھے بیٹے کی خوشخبری دی جائے اور دوسری وہ رات جس کی صبح میں مہاجرین کے ساتھ دشمن پر دھاوا بولوں، ان دو راتوں میں سے دوسری

[1] الصّٰفّٰت 177:37.

رات مجھے زیادہ پسند ہے، لہٰذا تم جہاد کو کبھی ترک نہ کرنا۔''[1]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾

''وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔''[2]

سرحدوں کی حفاظت کا معاملہ ہو یا تعلق باللہ اور امتثالِ حکمِ الٰہی کا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان میں سے کسی بھی ذمہ داری سے لمحہ بھر کے لیے غفلت نہیں برتتے تھے۔ اسی طرح اپنے دین اور وطن کے دشمنوں کا ہر وقت مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا درج ذیل کلام بخوبی سنا اور سمجھا ہوا تھا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ (اللہ) تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور پاکیزہ محلات میں (جو) ہمیشہ رہنے

[1] عبقرية خالد لعباس العقاد. [2] الذّٰريٰت 51:17، 18.

والی جنتوں میں ہیں، یہ ہے عظیم کامیابی۔ اور ایک اور (نعمت) جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور فتح قریب اور مومنوں کو بشارت دے دیجیے۔'' [1]

اسلام کے ہراول دستے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے مذکورہ کلام سنتے ہی اس پر لبیک کہا اور ان کا اس بات پر ایمان تھا کہ اللہ کی نصرت صرف اسی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ انھوں نے جان لیا تھا کہ نصرت الٰہی کے حصول کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

① اللہ اور اس کے رسول پر گہرا ایمان۔

② اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد۔

گہرا ایمان صرف اسی عقیدے اور یقین کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ اسی ایمان نے ان کے سامنے دنیا کی حقیقت کھول کر رکھ دی تھی۔ وہ دنیا کے چاروں اطراف میں پھیل گئے اور ایسے لگتا تھا جیسے زمین ان کے لیے سکڑتی جا رہی ہو۔

عہد حاضر میں یہودی صیہونیوں نے دونوں معرکوں میں فتح حاصل کی ہے۔ معرکے کے اول و آخر میں مدد انھی کو حاصل ہوتی اور یہ صرف اس وجہ سے ہوتا کہ وہ اپنے عقیدۂ یہودیت میں مضبوط اور پختہ ہیں۔

اسرائیلی فوج میں ہر سال تورات پر مقابلہ بازی ہوتی ہے اور جیتنے والوں کو بڑی عزت اور تکریم اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

اسی طرح بڑے بڑے فوجی افسر اور فیلڈ آفیسر دیوار گریہ کے پاس دینی شعائر کا اہتمام کرتے ہیں۔ مزید برآں اسرائیلی ائر فورس اور پیراشوٹ فورس اپنی مقدس دیوار

[1] الصف 61:10-13.

کے پاس حلف برداری کی تقریب منعقد کرتے ہیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے میں تورات ہوتی ہے۔

اور جب صیہونیوں یہودیوں نے چھ چھوٹے بحری بیڑے مینا (شیر بورگ) سمندر میں چھوڑے اور وہ سلامتی سے اپنے ہدف تک پہنچ گئے تو ان کے وزیر دفاع اور برگیڈئر نے کہا:

''چھ بیڑے سمندر میں چلائے گئے نہ تو ان پر مناسب اسلحہ تھا اور نہ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ان بحری بیڑوں نے سمندر ہی سے اپنا ایندھن حاصل کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ فور سٹروک تھے بلکہ ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور روح اعلیٰ کی نصرت حاصل تھی۔

یہودیوں کی کتاب مقدس میں اسی بات کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

''ہر طرف زمین پر فسادات تھے اور روح اللہ پانی پر سایہ فگن تھی۔''

انسان کی کامیابی اور ناکامی میں عقیدے کا بڑا رول ہوتا ہے۔ اسی بارے میں مثل معروف ہے: ''جنگیں عقیدے کی بنیاد پر ہوتی ہیں اور نظریہ ایک تصور کو سامنے رکھ کر قائم کیا جاتا ہے۔'' مذکورہ بحث سے فوجیوں کے لیے دینی قیادت کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

واقعی یہ سچ ہے کہ جنگ ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ یہ جوان مردوں، بوڑھوں اور بچوں کو کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ﴾

”تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“[1]

ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو نوجوانوں کو میدان جنگ تک لے آتی ہے؟ وہ کونسا جذبہ تھا جو: مصعب بن عمیر، جعفر بن ابی طالب، حمزہ بن عبدالمطلب، اسامہ بن زید، صہیب رومی اور انس بن نضر رضی اللہ عنہم کو میدان جہاد تک لے آیا اور انھیں اپنی جان قربان کرنے پر مجبور کیا؟

جی ہاں: وہ کون سی متاع زرّیں ہے جس کے لیے انسان اپنی عمر کا ماحصل اور زندگی کا ثمرہ بلکہ اپنی ساری ملکیت قربان کر ڈالتا ہے جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے اپنا کل سرمایا وقف کر دیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: ابوبکر! اپنی اولاد کے لیے کیا کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ تو مدرسہ اسلام کے تربیت یافتہ بزرگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو باقی چھوڑا ہے۔“[2]

اور جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیش العسرہ کو، جو اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کی نشرو اشاعت کے لیے نکلنے والا تھا، تیار کیا اور جنھوں نے مسلمانوں کے لیے رومہ کا چشمہ خریدا تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا تھا:

”آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرے، اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔“[3]

اسی طرح سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور ان کے علاوہ بہت

[1] البقرة 2:216. [2] سنن أبي داود، حديث:1680. [3] جامع الترمذي، حديث:3701.

سارے لوگوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ آخر کس مقصد کے لیے؟

انھیں کون سی چیز ایسا کرنے پر آمادہ کر رہی تھی؟

یہ دنیا اور جو کچھ اس کے اندر موجود ہے ایک مومن کی جان کی قیمت نہیں ہو سکتی بلکہ اس فانی دنیا میں مومن کی جان کی قیمت موجود ہی نہیں۔

اور اگر کوئی چیز اس کا بدلہ ہو سکتی ہے تو کیا وہ چیز موجود ہے؟

اگر ہے تو کہاں ہے؟

جی ہاں! اس کا وجود ہے اور اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ اخروی زندگی ہے جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے اور اللہ کے رسولوں نے اس کے بارے میں ہمیں خوشخبری دی ہے۔ وہ چیز جنت ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا معادلہ دنیوی زندگی سے کیا جا سکتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس (اللہ) سے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“[1]

[1] التوبۃ 9:111.

پانچویں آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝﴾

’’آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور تم اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔‘‘[1]



[1] الزمر 39:53، 54.



نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیات عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں دیکھیے:

تفسير الطبري: 11/24

تفسير البغوي: 66/6

أسباب نزول الأيات، ص: 389

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔ قریش کا یہ واحد قبیلہ تھا جو شہسواری میں منفرد تھا۔ اس قبیلے کے مرد حضرات طاقت وقوت، شجاعت و بہادری اور شہسواری میں معروف تھے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو بچپن ہی میں اسلحہ، تیراندازی، نشانہ بازی، گھڑ سواری اور خطرات میں کودنے کی مہارت اور تربیت دیتے تھے اور جب بچہ ان تربیتی مراحل میں ثابت قدم رہتا تو اسے ان مردوں کی لسٹ میں شامل کر لیا جاتا جو جنگجو اور سپاہی ہوتے تھے۔

آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

ابوجہل ان کا اخیافی بھائی تھا۔ وہ ابوجہل جو کمزور مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتا اور مکہ میں مقیم مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اس امت کا فرعون بھی ابوجہل ہی تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''[1]

اسی ابوجہل نے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے جسم کو پتھروں اور کوڑوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے سے روکا تھا۔ یہی تھا جو نئے

[1] مسند أحمد: 1/403.

دعوت دعوتِ اسلام اور حاملین دعوت کا مذاق اڑاتا تھا۔ دارالندوہ میں رحمت کائنات حضرت محمد ﷺ کے قتل کا منصوبہ کرنے والوں میں سے ایک یہی تھا۔"[1]

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام کو سنتے ہی لبیک کہا۔ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں منتقل ہونے سے قبل اسلام میں داخل ہوئے۔ اپنے بھائی کے برعکس عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اسلام کے داعی تھے۔ قرآن کو بڑے غور سے سنتے اور فی سبیل اللہ مال بھی خرچ کرتے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کو ایذا اور تکلیفیں پہنچانے سے باز نہیں آتے تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ سفر ہجرت میں آپ کے ساتھ آپ کی بیوی ام الجلاس اسماء بنت سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔[2]

انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں۔

دیارِ غیر ہی میں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عیاش کو جنم دیا۔ نبی ﷺ آل ابی ربیعہ کے گھرانوں میں سے کسی ایک گھر میں عیادت مریض یا کسی اور غرض سے تشریف لائے۔ موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسماء بنت سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی اچھی سی وصیت کر دیں۔ رسول اللہ نے فرمایا: "اے ام جلاس! اپنی بہن کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرو جس طرح کا تم چاہتی ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کرے۔"[3]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما کا ایک بچہ لایا گیا۔ ام جلاس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بچے کی کسی بیماری کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ

[1] رجال أنزل الله فيهم قرآنا: 78/4. [2] امتاع الاسماع: 242/6. [3] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 961/3.

نے بچے کو اپنی گود میں لیا اور اسے دم کرنے لگے۔ آپ نے اپنا مبارک لعاب بھی بچے کو لگایا۔

اور جب قریش نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصالحت کا اعلان کیا تو حضرت عیاش رضی اللہ عنہ مکہ واپس لوٹ آئے اور مکہ ہی میں رہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا عام حکم دے دیا، چنانچہ حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما اکٹھے مدینہ منتقل ہو گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب ہم نے ہجرت کا عزم کر لیا تو میں نے، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص نے اکٹھے ہجرت کرنے پر اتفاق کر لیا کہ ہم اپنے پروگرام کے مطابق بنوغفار کے تالاب کے پاس پہنچ جائیں گے اور پھر ہم وہیں سے اکٹھے روانہ ہوں گے اور جو شخص وہاں نہ پہنچ سکا تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے اور پھر باقی ساتھی اپنے سفر کو روانہ ہو جائیں گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''صبح ہوئی تو میں اور عیاش اپنی جگہ پر پہنچ گئے اور ہشام رضی اللہ عنہ کو روک لیا گیا اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا۔ ہم چلتے رہے اور مدینہ میں داخل ہو گئے اور مدینہ کے نواح قبا میں عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ قبیلے میں مقیم رہے۔ قریش کو عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے جانے کا پتا چلا تو وہ فوراً کافروں کے سردار ابوجہل کے پاس آئے اور کہا: کیا تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تو محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں کا دشمن ہے اور کمزور مسلمانوں کے لیے بڑا قاہر ہے جبکہ تیرا قریبی رشتہ دار محمد ﷺ پر

ایمان رکھتا ہے؟ اور مدینہ کو ہجرت کر گیا ہے۔ اس طرح کے کلمات اسے ہر طرف سے نوچنے لگے کہ اگر وہ واقعی مسلمانوں کا دشمن ہے تو سب سے پہلے اپنے بھائی کی خبر تو لے۔

ابوجہل مزید کچھ سننے کے لیے تیار نہ تھا، اس نے مدینہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا، چنانچہ ابوجہل اور اس کا بھائی حارث بن ہشام آندھی اور طوفان کی طرح مدینہ پہنچے۔ جب تینوں بھائی مل بیٹھے تو ابوجہل نے کہا: عیاش! تو نے یہ کیا کیا؟ مکہ سے خفیہ طور پر روانہ ہوگیا؟ کیا تو کسی سے خوف زدہ تھا؟ بتا تو سہی تجھے کس نے نقصان پہنچانے کی جرأت کی ہے؟ اب ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تیری ماں نے نذر مان رکھی ہے کہ جب تک تجھے نہیں دیکھے گی سر میں کنگھی نہیں کرے گی اور نہ ہی سائے میں بیٹھے گی۔

ابوجہل کی یہ باتیں سن کر عیاش رضی اللہ عنہ نرم پڑ گئے اور ان کی ماں نے جو نذر مان رکھی تھی اس کا ان کے دل پر اثر ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ صرف تمھیں دین سے ہٹانے کے لیے تمھاری قوم کی سازش ہے۔ اللہ کی قسم! جب تیری ماں کو جوئیں تنگ کریں گی تو وہ ضرور کنگھی کرے گی اور جب اسے گرمی نے بے حال کیا تو وہ ضرور سائے میں بیٹھے گی۔

لیکن عیاش نے کہا: ”میں اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے مکہ واپس ضرور جاؤں گا اور وہاں میرا مال بھی ہے میں جا کر وہ بھی حاصل کروں گا۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ میں قریش کا مالدار آدمی ہوں۔ میں تمھیں اپنا آدھا مال دوں گا مگر تم واپس مکہ مت جاؤ۔

حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور انھوں نے واپس جانے کی ٹھان لی۔ [1]

سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ انھیں کسی طرح بھی روک نہ سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: اگر تم نے واقعی جانا ہے تو میری اس اونٹنی پر چلے جاؤ یہ ایک نایاب اور عمدہ قسم کی اونٹنی ہے، اس پر سواری کرنا آسان ہے۔ اگر کہیں پر تمھیں محسوس ہو کہ قوم نے تمھارے ساتھ کوئی سازش کی ہے تو اس اونٹنی پر سوار ہو کر واپس آ جانا، چنانچہ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ ابوجہل اور حارث بن ہشام کے ہمراہ مکہ کو روانہ ہو پڑے۔ راستے میں ابوجہل نے عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھائی! اللہ کی قسم! میرا اونٹ بہت زیادہ موٹا ہونے کی وجہ سے تھک گیا ہے۔ کیا میں تمھارے ساتھ اونٹنی پر بیٹھ سکتا ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں اور اونٹنی کو بٹھایا۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھا دیں اور ساتھ ہی سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انھیں باندھ کر مکہ لے آئے اور اس طرح انھیں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

ابوجہل اپنی سازش میں کامیاب ہوگیا، وہ مکہ میں دن چڑھے داخل ہوا، اس نے اپنے بھائی کو باندھا ہوا تھا، پھر اس نے بلند آواز سے کہا: اے اہل مکہ! جس طرح ہم نے اپنے اس بے وقوف کے ساتھ کیا ہے تم بھی اپنے بے وقوفوں کے ساتھ اسی طرح کرو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس حقیقت کا پتا چل گیا، وہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ عیاش جیسے لوگوں سے کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول کرے گا اور نہ ہی توبہ قبول ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا لیکن مصیبت پہنچنے پر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے بارے میں یہ فرمان نازل فرمایا:

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 148/2.

﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

''(اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔ تم اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے جبکہ تمھیں اس کی خبر تک نہ ہو۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے یہ آیات اپنے ہاتھ سے ایک صحیفے میں لکھیں اور ہشام بن العاص اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما کی طرف بھجوائیں۔

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت یہ آیات مجھ تک پہنچیں میں ذی طویٰ میں تھا۔ میں یہ آیات بار بار پڑھتا رہا لیکن کچھ سمجھ نہ آئی آخر کار میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ! مجھے یہ آیات سمجھا دے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات ہمارے ہی بارے میں، ہمارے اپنے موقف اور ہمارے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا تھا، اس بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

[1] الزمر 39:53-55.

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میری خاطر عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص رضی اللہ عنہما کو کافروں سے آزاد کرا کے لائے گا؟

سیدنا ولید بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں انھیں لے آؤں گا، چنانچہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ بڑے خفیہ انداز سے مکہ میں داخل ہوئے اور بڑی راز داری سے ان کے مکانوں کا پتا لگاتے رہے۔ ایک دن ان کی ملاقات ایک خاتون سے ہوئی۔ خاتون نے کھانا اٹھایا ہوا تھا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: آپ کہاں جاری ہیں؟ اس نے کہا: میں ان دو قیدیوں، یعنی عیاش اور ہشام رضی اللہ عنہما کے پاس جا رہی ہوں، چنانچہ ولید رضی اللہ عنہ اس خاتون کے پیچھے چل پڑے اور ان کے ٹھکانوں کا پتا چلا لیا۔ حضرت عیاش اور ہشام رضی اللہ عنہما کو ایک ایسے کمرے میں محبوس کیا گیا تھا جس کی چھت بھی نہیں تھی۔ حضرت ولید رضی اللہ عنہ رات کے وقت کمرے کی دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے اور ان کے پاؤں کی بیڑیاں توڑ کر انھیں اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔[1]

اور یوں حضرت عیاش اور ہشام رضی اللہ عنہما ایمان کی پناہ گاہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور مجاہدین کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

زمانۂ قریب میں یہ روشن اور چمکدار مومن چہرے گندے، قبیح اور بگڑے ہوئے کافر چہروں سے ملنے والے تھے۔ اور یہ سامنا معمول کا نہیں تھا بلکہ نیزوں اور تلواروں سائے میں ہونے والا تھا۔ اور وہ ابوجہل جس نے مومنین اور صابرین کو بے انتہا اذیتیں دی تھیں، اپنے انجام بد کو پہنچنے والا تھا، یہ سب کچھ مقام بدر میں ہونے والا

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 2/87.

تھا۔ ابوجہل اور امیہ بن خلف بہت سے کفر کے سرغنوں کے ساتھ، جنھوں نے مسلمانوں کو صعوبتوں اور مصیبتوں سے دو چار کیا تھا اور ان کے مال مویشی اور گھر چھین لیے تھے، بدر کے مقام پر آ جمع ہوئے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟..........

بہت ہی کم عرصے کے بعد مومنین کا یہ ہراول دستہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جانب مکہ محو سفر تھا، محبت و شوق اور جذبات سے دل پُر تھے، اپنے اس گھر کو جا رہے تھے جس میں ان کا بچپن اور جوانی گزری تھی، وہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں، کھیتوں کی شادابی اور جاری چشموں کو دیکھنے کی تڑپ انگڑائیاں لے رہی تھی، بیت اللہ الحرام جو زمین پر لوگوں کے لیے اللہ کا پہلا گھر ہے، اس کی زیارت کا شوق ان میں جاگزین تھا، قربانی کے جانور ان کے ساتھ تھے اور کوئی اسلحہ ساتھ نہیں لائے تھے، محض بیت اللہ کا طواف اور عمرہ ان کا مقصد تھا۔

لیکن قریش نے آگے بڑھنے سے روک دیا اور کہا کہ اس سال مسلمان عمرہ نہیں کر سکتے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے قریش کو باخبر کرنے کے لیے کہ ہم صرف عمرے کی غرض سے آئے ہیں، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر ان کے پاس بھیجا۔ مکہ کے سرداروں نے یہ بات بھی قبول نہ کی اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو قید کر لیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک قوم سے لڑ کر عثمان کا بدلہ نہ لے لیں۔''[1]

[1] الکامل فی التاریخ: 313/1.

رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے لیے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی تھی لیکن کسی قسم کے جدال وقتال کے بغیر صلح ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمان نازل فرمایا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝ ﴾

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا وہ اس نے جان لیا تو اس نے ان پر طمانینت و تسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کر دیں اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہوجائے اور اسی لیے کہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (اللہ نے) دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (مگر) اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

[1] الفتح 48:18-21.

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اس جماعت اور گروہ میں شامل ہو گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اطمینان وسکون نازل فرمایا تھا اور اس طرح آپ کو ایک پر رونق، پسندیدہ اور بڑی اطمینان بخش زندگی نصیب ہو گئی۔

آپ جہاد کے ہر میدان میں حصہ لیتے رہے۔ دشمن سے مبارزت کرتے، دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے آخر تک چلے جاتے، اپنی تلوار کو دشمن کے خون سے رنگ دیتے اور خود بھی زخمی ہوتے لیکن جس طرح وہ اپنی زندگی کا اختتام چاہتے تھے، یعنی شہادت تو وہ نصیب نہ ہوئی۔ آپ نے غزوۂ حنین میں بھی حصہ لیا۔ مرتدین کے خلاف جنگوں میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل رہے۔ ارضِ فارس میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روم کے اطراف و جوانب میں موجود قلعوں کو شکست سے دوچار کیا۔

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا حتی کہ معرکۂ یرموک پیش آیا جس میں رومی اتنا بڑا لشکر لے آئے کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اتنا بڑا لشکر دیکھ کر سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: ''رومی کتنی زیادہ تعداد میں ہیں اور ہم مسلمان کتنے کم ہیں۔'' [1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بلکہ مسلمان زیادہ ہیں اور رومی بہت ہی کم ہیں۔ لشکر اس وقت زیادہ ہوتے ہیں جب ان کی نصرت کی جا رہی ہو اور جب مدد وحمایت نہ ہو تو حقیقت میں تعداد اس وقت کم ہوتی ہے۔

اس کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو، جن کے ساتھ عکرمہ بن

---

[1] الكامل لابن الأثير: 412/2.

ابوجہل اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے، زوردار لڑائی کا حکم دیا، تمام سپاہی بڑے جذبے سے میدان جہاد میں کود پڑے، شہسوار بھی میدان میں اتر پڑے اور لڑائی شروع ہوگئی۔

ابھی جنگ جاری تھی کہ مدینے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آ گئی۔

اور ساتھ یہ کہ اسلامی لشکر کے نئے کمانڈر انچیف سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

دوسرے مرحلے کی جنگ جب شروع ہوئی تو رومیوں کی صفوں سے ایک کمانڈر رونما ہوا جس کا نام جرجہ تھا۔ اس نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو آپ سامنے آئے۔ دونوں نے اپنے سیکیورٹی گارڈوں کو کسی بھی ایکشن سے روک دیا۔

جرجہ نے کہا:

''اے خالد! میں تم سے ایک بات پوچھنے والا ہوں۔ تم مجھے سچ سچ بتانا اور جھوٹ نہ بولنا کیونکہ ایک آزاد آدمی کبھی جھوٹ سے کام نہیں لیتا اور نہ ہی مجھے دھوکہ دینا کہ ایک شریف آدمی اعتماد کرنے والے کو دھوکہ نہیں دیتا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار نازل کی تھی جو اس نے تمھیں تھما دی ہے اور اب تم وہ تلوار جس پر بھی اٹھاتے ہو شکست دے دیتے ہو؟''

خالد رضی اللہ عنہ: ''نہیں۔''

جرجہ: ''پھر تمھیں ''سیف اللہ'' کیوں کہتے ہیں؟''

خالد رضی اللہ عنہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنا نبی بھیجا تو میں ان لوگوں میں شامل ہوگیا جو اس نبی کو جھٹلانے والے تھے اور جنھوں نے اس سے لڑائی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے نوازا تو میں نے اس کا اتباع کرلیا تو اب میں وہ اللہ کی تلوار ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر مسلط کردیا ہے۔ اور اس اللہ کے نبی نے میرے لیے نصرت کی

دعا کی تھی۔‘‘

جرجہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟‘‘

خالد رضی اللہ عنہ: ’’سب سے پہلے ہم اسلام کی دعوت دیتے ہیں، انکار کی صورت میں جزیہ وصول کرتے ہیں اور اگر کوئی جزیہ بھی نہ دے تو ہم ان سے لڑائی کرتے ہیں۔‘‘

جرجہ: ’’جو تمھاری بات مان کر تم میں شامل ہو جائے تو اسے کیا مقام دیتے ہو؟‘‘

خالد رضی اللہ عنہ: ’’ہم سب کا مقام و مرتبہ ایک ہی ہے۔‘‘

جرجہ: ’’اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے تم میں شامل ہونا چاہے تو کیا اسے بھی تمھاری طرح اجر و ثواب ملے گا؟‘‘

خالد رضی اللہ عنہ: ’’جی ہاں بلکہ اسے ہم سے زیادہ ثواب ملے گا اور وہ ہم سے افضل ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نے اپنے نبی کی پیروی کی تو وہ زندہ تھے۔ ہمیں غیبی امور سے آگاہ کرتے تھے اور ہم آپ کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ جس نے وہ چیز دیکھی جو ہم نے دیکھی تھی اور وہ بات سنی جو ہم نے سنی تھی، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام قبول کرے۔ تم نے وہ چیزیں اور مشاہدات اور معجزات نہیں دیکھے سنے جو ہم نے دیکھے اور سنے تھے، اس لیے اب جو شخص خالص نیت سے اور صدق دل سے اسلام قبول کرے گا وہ یقیناً ہم سے افضل ہوگا۔‘‘

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سننے کے بعد جرجہ نے اپنی ڈھال کو الٹایا اور خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگیا، اس نے اسلام قبول کر لیا۔ غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر رومیوں کے خلاف جہاد کیا۔ [1]

---

[1] الكامل لابن الأثير: 412/2، والبداية والنهاية: 14/7.

رومیوں نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تاہم عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے چچا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہما ڈٹے رہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑائی کی تو کیا اب میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جاؤں، پھر انھوں نے بلند آواز سے کہا: موت پر کون بیعت کرتا ہے؟ چنانچہ عیاش بن ابی ربیعہ، حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور رضی اللہ عنہم نے چار سو مسلمان شہسواروں کے ساتھ بیعت کی۔

مسلمانوں نے بھرپور حملہ کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جرجہ نے بھی مل کر جہاد کیا، جرجہ اس جنگ میں شہید ہوگیا، رومیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد فرمائی، ارضِ شام میں مسلمانوں کا یہ آخری حملہ تھا جس میں انھیں فتح حاصل ہوئی۔

عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا کیا بنا؟

کیا وہ اس معرکہ میں شہید ہوگئے تھے؟

بعض مراجع اور مصادر میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ وہ معرکۂ یرموک میں شہید نہیں ہوئے بلکہ صرف زخمی ہوئے تھے۔ تاہم علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ معرکۂ یرموک ہی میں شہید ہوئے تھے۔ انھوں نے شہدائے یرموک کے نام ذکر کیے ہیں:

1. حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ
2. عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہ
3. سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ

④ عمر بن سعید رضی اللہ عنہ

⑤ جندب بن عمر رضی اللہ عنہ

⑥ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ

⑦ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ

⑧ عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ

علامہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حارث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم یرموک کے دن شہید ہو گئے تھے۔

ابو جعفر طبری اس بات کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ مکہ میں فوت ہوئے تھے۔

ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ عیاش رضی اللہ عنہ یرموک میں صرف زخمی ہوئے تھے۔ وہ مکہ واپس آئے تھے اور یہیں فوت ہوئے تھے۔

حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل حدیث بیان کی ہے:

''یہ امت اس وقت تک بھلائی میں رہے گی جب تک یہ بیت اللہ اور حرم کا [کما حقہ] احترام کرتے رہیں گے۔ جب وہ اس فریضے کو ضائع کر بیٹھیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان روز روشن کی طرح واضح اور سچ ہے۔ اللہ تعالیٰ عیاش رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کے بقدر معافی عطا فرمائے، آمین!

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 1233/3، و سنن ابن ماجه، حديث: 3110.

نزول آیات کے اسباب

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، وہ کہتے تھے: محمد ﷺ کا گمان ہے کہ جن لوگوں نے بتوں کی عبادت کی اور ناحق قتل کیا اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ اب ہم ہجرت کس لیے کریں اور کس لیے اسلام قبول کریں حالانکہ ہم نے اللہ کے علاوہ باطل معبودوں کی عبادت کی ہے اور ہم نے ناحق قتل کیے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ، ولید بن ولید رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے، پھر ان کی آزمائش ہوئی، انھیں عذاب سے دوچار کیا گیا اور فتنے میں مبتلا کیا گیا۔ ہم کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے کبھی کوئی فرض یا نفل

عبادت قبول نہیں کرے گا کیونکہ انھوں نے اسلام لانے کے بعد اپنے دین کو ترک کیا صرف دنیاوی تکلیفوں سے گھبرا کر، چنانچہ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لکھنا جانتے تھے۔ انھوں نے یہ آیات حضرت عیاش، ولید اور ان جیسے دوسرے مسلمانوں کی طرف لکھ بھیجیں، چنانچہ انھوں نے قبول اسلام کا اعلان کیا اور ہجرت کر آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اہل شرک میں کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے بہت سارے قتل کیے تھے اور بہت زیادہ زنا کیا ہوا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: آپ جس بات کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی بات ہے۔ کیا جو کچھ ہم کر چکے ہیں اس کا کفارہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

محمد بن اسحاق نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''جب ہم نے ہجرت کا عزم کر لیا تو میں نے، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص رضی اللہ عنہما نے اکٹھے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے کہا ہم مناصف، جو بنوغفار کی میقات ہے، پر جمع ہوں گے جو وہاں نہ پہنچ سکا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اسے روک دیا گیا ہے، لہٰذا باقی ساتھی روانہ ہو جائیں گے۔ میں اور عیاش صبح سویرے مقررہ مقام تک پہنچ گئے جبکہ ہشام رضی اللہ عنہ کو روک لیا گیا اور انھیں فتنے میں مبتلا کیا گیا۔ ہم مدینہ میں آگئے اور وہیں رہنے لگے۔ اس کے بعد ہم کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں

[1] صحيح البخاري، حديث:4810، والسيرة النبوية لابن هشام:2/87.

جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لیا تھا، پھر وہ دنیاوی آزمائشوں اور تکلیفوں سے گھبرا کر واپس پھر گئے۔ ہمارے اس موقف کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَي اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ ﴾

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے یہ آیات ہشام رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ بھیجیں۔

ہشام فرماتے ہیں: جب یہ آیات مجھے موصول ہوئیں تو میں یہ لے کر وادی ذی طویٰ میں چلا گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ان آیات کا مفہوم سمجھا دے، چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ یہ آیات ہمارے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ میں واپس آیا اپنی سواری پر سوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ پہنچا۔'' [1]

[1] أسباب نزول القرآن للواحدي: 389.



ضمیمہ

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ، ابوجندل بن سہیل بن عمرو، ابوبصیر عتبہ بن اسد رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے نوجوان ایمان لے آئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی خلوص دل سے تصدیق کی لیکن قریش ان کے درپے ہوئے اور انھیں اپنے رب کی عبادت سے روکا اور اپنے دین کی خاطر مدینہ ہجرت کرنے سے بھی منع کر دیا۔

عیاش رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو ہم جان چکے ہیں کہ انھوں نے کس طرح ہجرت کی اور ان کا بھائی ابوجہل بن ہشام کس سازش سے انھیں دوبارہ مکہ لانے میں کامیاب ہوا اور اس نے دار الندوہ میں موجود کافروں سے بڑے فخر سے کہا: جس طرح ہم اپنے بے وقوف کو واپس لائے ہیں تم بھی ایسے ہی کرو۔

سیدنا ابوجندل کو بھی قریشیوں نے قید کر لیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کسی طرح قید سے فرار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔ سہیل نے جب اپنے بیٹے ابوجندل کو دیکھا تو اس نے آگے بڑھ کر منہ پر ایک طمانچہ مارا اور ان کی پاؤں میں لگی بیڑیوں سے پکڑ لیا اور کہا: اے محمد! ابوجندل کے آنے سے پہلے ہمارے اور آپ کے درمیان صلح کی شرائط طے پا چکی ہیں۔ صلح میں یہ شرط بھی ہے کہ جو قریشی اپنے سرپرست کی اجازت

کے بغیر مسلمانوں سے جا ملے گا مسلمان اسے واپس کریں گے اور جو شخص محمد ﷺ کی جماعت چھوڑ کر قریش میں شامل ہوگا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا: ''تو نے سچ کہا ہے۔''

پھر آپ نے ابو جندل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''ابو جندل! صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم ان سے صلح کر چکے ہیں اور ہم نے ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کا عہد دیا ہے، لہٰذا اب ہم ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتے۔

سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے دل رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد اس نئی دعوت کے قبول کرنے کے لیے وا ہوگئے تھے اور جب انھوں نے ہجرت کرنی چاہی تو قریش حائل ہو گئے لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے، جوں ہی انھوں نے موقع پایا اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور آندھی اور طوفان کی طرح صحرا عبور کرتے ہوئے یثرب کو روانہ ہوگئے تاکہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر اللہ کے لشکریوں میں سے ایک لشکری بن کر اس کے دین کا دفاع کریں لیکن ابھی وہ یثرب پہنچے ہی تھے اور تھوڑا سا اطمینان وسکون حاصل ہوا تھا کہ قریش نے اپنے دو قاصد رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے کہ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق آپ ابو بصیر کو ہمارے حوالے کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ابو بصیر! جیسا کہ تم جانتے ہو ہمارا قوم کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا، ہمارے دین میں دھوکہ دہی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے دوسرے بھائیوں کے لیے ضرور کوئی راستہ بنائے گا اور تمھیں

نجات مل جائے گی، لہٰذا فی الحال تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔‘‘

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے مشرکین کے پاس واپس بھیج رہے ہیں کہ وہ مجھے فتنے میں ڈالیں؟

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ابوبصیر! تم جاؤ تو سہی، عنقریب اللہ تعالیٰ تم سب کے لیے ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔‘‘

ابوبصیر رضی اللہ عنہ حکم رسول ﷺ کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے مکہ روانہ ہوگئے، راستے میں ابوبصیر کو ایک ترکیب سوجھی۔ انھوں نے سوچا کہ قریشی بڑے حیلہ ساز اور چال باز ہیں۔ انھوں نے اس طرح کی شرائط رسول اللہ ﷺ کو مجبور کر کے منوائی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ کمزور مسلمان جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لی ہے انھیں قریشیوں کے ظلم و ستم سے نجات دلوانا بہت ضروری ہے۔

انھوں نے اپنے دل میں ٹھانی کہ جو بھی ہو مکہ واپس نہیں جانا بلکہ اپنے آپ کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ جن لوگوں کے دل نور ایمان سے منور ہو چکے ہیں ان کی طرف سے قریش کے لیے اب خرابی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

چنانچہ جب وادی ذی الحلیفہ میں پہنچے تو دونوں قاصد پڑاؤ کے لیے اترے تاکہ کھانا بھی کھایا جا سکے اور کچھ دیر کے لیے استراحت بھی کی جا سکے۔

دوران کھانا سیدنا ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی قوت کا جائزہ لیا حتی کہ جیسے ہی کھانا ختم ہوا تو انھوں نے جلدی سے ان میں سے ایک کی تلوار اٹھائی اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا فرار ہوگیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی کو اس نے قتل کر ڈالا ہے اور مجھے بھی مار ڈالے گا۔

کچھ دیر بعد سیدنا ابوبصیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنا معاہدہ پورا کیا ہے اور آپ نے مجھے ان کے حوالے کیا تھا۔ اب اللہ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے۔[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور مقام عیص پر ڈیرہ لگا لیا جو ساحل سمندر پر واقع ہے اور جہاں سے قریشی قافلے شام کو جاتے ہیں۔ یہیں پر انھوں نے اپنا نیزہ گاڑا اور تلوار کو دھار دی اور یہ عزم کر لیا کہ اب قریش کی تجارتی اور اقتصادی حالت کو تباہ کرنا ہے اور یہیں پہ ایک فوج تیار کرنی ہے۔

انھوں نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ قریش کو اب تجارت نہیں کرنے دیں گے۔ بیرونی دنیا سے بالکل تعلق کاٹ کے رکھ دینا ہے اور ان کو ایسا مجبور کرنا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ گھاس پھوس اور کانٹے دار جھاڑیاں کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو ابوبصیر کے عزم کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی خیر ہو! اگر اس کے ساتھ کچھ لوگ مل جائیں تو یہ جنگ بھڑکا دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ان لوگوں تک پہنچ جاتا ہے جنھیں قریش نے قید کر رکھا تھا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کے رہبر و رہنما حضرت محمد ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ابوبصیر کے ساتھ مل جائیں، چنانچہ وہ لوگ ایک ایک کر کے اس کے پاس پہنچتے رہے حتیٰ کہ ان کی تعداد ستر کے لگ بھگ ہو گئی۔

یہ فدائی قریشی قافلوں کی گھات میں بیٹھ جاتے، ان پر حملہ کرتے اور جو بھی تجارتی

---

[1] دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 2732.

سامان ہوتا وہ مال غنیمت کے طور پر لوٹ لیتے اور اس طرح انھوں نے اپنے آپ کو مالی طور پر بھی مضبوط کر لیا۔

قریش کو ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کی کارکردگی کا پتہ چلا تو انھوں نے شام سے تجارتی لین دین ختم کر دیا جس سے ان کا سامان کوڑیوں کے بھاؤ بکنے لگا۔ ان کے عامل انھیں چھوڑ کر چلتے بنے اور وہ زبردست قحط میں مبتلا ہو گئے۔

یہ صورت حال دیکھی تو قریش نے رحم کی اپیل کے لیے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا اور یہ درخواست کی کہ آپ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صلح حدیبیہ میں جو شرائط طے پائی تھیں پھر ان کا کیا ہو گا؟''

وہ کہنے لگے: اے محمد آپ صلہ رحمی کرنے والے اور مہمانوں کی عزت کرنے والے ہیں۔ آپ عاجز لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور حادثات زمانہ میں ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس امید لے کے آئے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر ابوبصیر کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیں، ہمارے عمال ہمیں چھوڑ کر چلتے جا رہے ہیں اور ہماری تجارت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہم صلح حدیبیہ کی اس شرط کو ختم کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کی عرضی قبول کی اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو واپس آنے کا پیغام بھیجا۔

جب خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ انتہائی عقیدت اور محبت کے جذبات سے پڑھنے لگے۔ آنسوؤں سے خط بھیگا جا رہا تھا۔ انھوں نے خط کو اپنے سینے سے لگایا اور ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔

گزشتہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فدائی عمل کی واقعی بہت اہمیت اور وزن ہے،

خاص طور پر ان حکومتوں پر فدائی حملے بہت ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں جو اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتی ہیں اور صریح حق کو جھٹلاتی ہیں۔

اس وقت امت مسلمہ کے پاس فلسطین اور اس کے آس پاس میں بہت سے فدائی موجود ہیں۔ ہم ان کی کارکردگی اور کردار کو کم نہیں کہہ سکتے لیکن اب تک ایسی جماعت نہیں بن سکی جو ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی طرح ہو، جو سمندر کے ذریعے، اسرائیلی تجارت کو ناکام کر سکے اور ان کے تجارتی اور حربی بیڑوں کو ختم کر سکے۔ اس دور میں یہی سب سے بنیادی فدائی حیلہ ہوگا کہ اسرائیل کی تجارت کو مندہ کیا جائے اور یہی اس وقت کی ضرورت ہے کیونکہ اسرائیل کی بیشتر تجارت مسلم جنوبی افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اس تجارت سے جتنا کثیر منافع اسرائیل کو مل رہا ہے اس سے کوئی بھی ناواقف نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ان علاقوں کو تباہ کن باطل نظریات سے برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور اس کی جماعت کہاں ہے؟

وہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کہاں ہے جو اسرائیل کی افریقہ سے درآمدات کو اپنے قابو میں لے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہمیں ایسے فدائیوں کی اشد ضرورت ہے جو اسرائیلی اقتصادیات کا محاصرہ کرے اور بین الاقوامی منڈیوں میں اس کی پوزیشن کو ختم کردے۔

آج اگر ابوبصیر رضی اللہ عنہ جیسے فدائی ہوتے تو اسرائیل کا وجود ہوتا اور نہ اس طرح کی کسی حکومت کو یہ جرأت ہوتی کہ وہ سرزمین عرب پر یوں اپنے پنجے گاڑتی اور نہ اقوام متحدہ کی کثیر قراردادوں کے باوجود ہر طرح کی من مانی کرتی۔

آخر میں ہم یہی کہیں گے کہ اگر تم فلسطین دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ والا طریقہ اختیار کرو۔

چھٹی آیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ
مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۝﴾

”اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔“ [1]



[1] الکہف 18: 28.



نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

بعض مفسرین، محدثین اور اہل سیر کا قول ہے کہ یہ آیت:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾

”اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔“ [1]

[1] الکہف 18: 28.

سیدنا عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، سعد بن ابی وقاص، خباب بن الأرت رضی اللہ عنہم اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

السيرة النبوية لابن هشام: 420/1

تفسير الطبری: 186/18

الدر المنثور: 219/4

تفسير القرطبی: 390/10

تفسير البغوی: 170/4

تفسير ابن كثير: 134/1



خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

خباب بن الارت بن سعد بن خزیمہ بن کعب۔

آپ کہاں پیدا ہوئے اور عہد طفولیت کہاں گزارا ہے، ان سوالات کا جواب تاریخ میں موجود نہیں ہے، البتہ درج ذیل اشارات اس کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

''ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں ذکر کیا ہے کہ دشمن نے سیدنا خباب بن ارت کے قبیلے پر حملہ کیا تھا اور خباب کو قید کر کے مکہ میں جہاں غلاموں کی منڈی لگتی تھی وہاں بیچ دیا تھا۔ انھیں ام انمار خزاعیہ نے خریدا تھا۔''[1]

ام انمار وہ عورت ہے جو مکہ میں عورتوں کا ختنہ کرتی تھی۔

تاریخ دان لکھتے ہیں:

''یہ وہ عورت ہے جس کے بیٹے سباع کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد والے دن یہ کہہ کر للکارا تھا: او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! آ مجھ سے مقابلہ کر۔''[2]

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ اسی عورت کی غلامی میں رہے۔ عہد طفولیت کے بعد جب جوانی

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الأصحاب: 438/2. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 15/3.



کا آغاز ہوا اور مردانگی کی عمر کو پہنچ گئے تو آپ کسی ایسے ہنر اور فن کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے جسے اختیار کر کے وقت اچھا گزار سکیں اور اندیشہ ہائے زندگی سے کچھ فرصت حاصل ہو سکے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ غلامی کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور گھر سے دور رہنے کا غم بھی ہلکا ہو جائے۔

بہت زیادہ غور و فکر کے بعد آپ نے لوہار کا پیشہ اختیار کیا جس میں تیر، نیزے اور قوس وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ یہ پیشہ رائج الوقت بھی تھا اور مکہ والوں کو اس کی اشد ضرورت بھی رہتی تھی کیونکہ وہ کثرت سے شکار کھیلنے اور لڑائی لڑنے والی قوم تھے۔ یہ پیشہ اس وقت بڑا نفع آور تھا جس طرح کہ آج کے دور میں اسلحہ سازی ایک نہایت زر آور کاروبار ہے۔

سیدنا خباب حداد گیری کرتے رہے حتیٰ کہ اسلام آ گیا۔ انھوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے کچھ قرآن کے الفاظ سنے، یہ قرآنی کلمات آپ کے دل میں جگہ کر گئے اور آپ کا دل ایمان سے بھر گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی عقل، ہوشیار ذہن اور مضبوط حافظہ عطا کیا تھا۔ آپ مکہ کے مسلمانوں کو قرآن سکھاتے، احکام دین سمجھاتے اور انھیں عبادت کی حسن ادائیگی سے روشناس کراتے۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ اکثر اوقات ایسے مجبور و مقہور مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سفیر امین کا کردار ادا کرتے جو رسول اللہ ﷺ سے براہ راست شرف ملاقات حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کی اس سفارت کاری کی وجہ سے اہل مکہ کے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ مالی لحاظ سے کچھ کمزور تھے، چنانچہ ایک مرتبہ وہ وائل سہمی کے پاس ریکوری (Recovery) کے لیے گئے۔ وائل نے آپ سے کچھ تیر اور زرہیں خریدیں تھیں جن کی کچھ رقم کی ادائیگی ابھی باقی تھی۔ وائل نے کہا:

خباب! جس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر تم ہو، کیا اس کا یہ کہنا نہیں ہے کہ جنت میں سونا، چاندی، کپڑے اور خادم وغیرہ مطالبہ کرنے پر اہل جنت کو فوراً مل جائیں گے؟

خباب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیوں نہیں! ایسا ہی ہے۔

وائل نے کہا: پھر مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دو۔ میں قیامت والے دن تجھے تیرا حق چکا دوں گا۔ اللہ کی قسم! اے خباب! تو اور تیرے ساتھی اللہ کے نزدیک مجھ سے مقام و مرتبہ میں بڑھ نہیں سکو گے۔ [1]

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ ﴾

”پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلایئے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پا لی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے اور ان چیزوں کے ہم وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔“ [2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 380/1. [2] مريم 19: 77-80.

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان یہ زبانی کلامی جھگڑا زیادہ عرصہ نہ رہا۔ اس کے بعد مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں کو طرح طرح کے عذابوں اور اذیتوں سے دو چار کرنا شروع کر دیا۔

مفسر قرآن امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے سات لوگوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق، بلال، خباب، صہیب، عمار اور سمیہ رضی اللہ عنہم۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنے والے آپ کے چچا تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دفاع ان کی قوم نے کیا۔ باقیوں کو کافروں نے نشان عذاب بنائے رکھا، انھیں لوہے کی زرہیں پہنائی گئیں، انھیں تپتی دھوپ میں بیٹھنے پر مجبور کر کے اذیتیں دی گئیں۔'' [1]

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا گیا تاکہ وہ اپنے دین اور ایمان سے پھر جائیں لیکن مشرکین اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ [2]

امام شعبی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے انھیں اپنی مسند پر بٹھایا اور کہا:

''اس وقت اہل زمین میں سے یہاں بیٹھنے کا خباب سے زیادہ حق دار صرف ایک ہی شخص ہے۔''

---

[1] أسد الغابة: 314/1. [2] حياة الصحابة للكاندهلوي: 309/1، وتاريخ الاسلام للإمام الذهبي: 563/3.

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''وہ کون ہے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔''

خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے امیر المومنین! بلال! مجھ سے زیادہ حق دار نہیں ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والے موجود تھے لیکن میری حمایت اور مدد کرنے والا کوئی نہیں تھا۔''

پھر فرمایا: ''ایک مرتبہ مشرکین نے مجھے پکڑ لیا، آگ بھڑکائی اور مجھے اس میں جھونک دیا، پھر ان میں سے ایک نے میرے سینے پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور اس طرح میری کمر جلتی رہی۔'' پھر انھوں نے اپنی کمر سے کپڑا ہٹایا تو ان کی کمر پر گرم سیخوں سے داغنے کے نشانات واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔[1]

مشرکین کے اسی ظلم وستم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام جیسی نئی دعوت قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میری معلومات کی حد تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کے عقد میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی آغاز اسلام ہی میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، تاہم ابھی تک وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ایک تیسرا شخص بھی تھا جو مسلمان ہو چکا تھا لیکن اس نے بھی ابھی اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا، وہ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے، ان کا تعلق بنوکعب سے تھا،

[1] الطبقات الکبرٰی:3/233.

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی تھے، انھیں اس راز کا پتا تھا کہ فاطمہ اور سعید رضی اللہ عنہما کے پاس حضرت خباب رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور انھیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں۔

ایک دن حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ تلوار لہراتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جا رہے تھے جو صفا کے قریب ایک گھر میں جمع تھے۔

نعیم رضی اللہ عنہ: ''عمر! کہاں جا رہے ہو؟''

عمر: ''میں اس محمد بے دین (معاذ اللہ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش کے اتحاد کو پارا پارا کر دیا ہے، اس نے ہمارے قریشیوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے، ہمارے دین کی عیب جوئی کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔''

نعیم رضی اللہ عنہ: اللہ کی قسم! عمر! تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہوا ہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کے بعد بنو عبد مناف تجھے زندہ چھوڑ دیں گے؟ تو اپنے گھر کیوں نہیں جاتا کہ تو اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے۔''

عمر: ''میرے گھر میں سے کون مسلمان ہو چکے ہیں؟''

نعیم: ''آپ کے بہنوئی اور کزن سعید بن زید اور آپ کی بہن فاطمہ۔ اللہ کی قسم! انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بن چکے ہیں۔ تو پہلے ان کے پاس جا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھی کی طرف چل پڑے۔ ان کے ہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ آئے ہوئے تھے جن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ یہ سورت انھیں پڑھا رہے تھے۔

جب انھوں نے حضرت عمر کی آہٹ محسوس کی تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے ایک

کونے میں چھپ گئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفہ اپنی ران کے نیچے چھپالیا۔ حضرت عمر نے خباب رضی اللہ عنہ کی قرأت سن لی تھی، عمر نے آتے ہی پوچھا: ''یہ میں نے کس چیز کی آواز سنی تھی؟''

دونوں میاں بیوی نے عرض کی: ''نہیں تو، یہاں تو کسی چیز کی آواز نہیں تھی۔''

عمر نے کہا: ''کیوں نہیں، واللہ! مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کرلیا ہے اور ساتھ ہی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک طمانچہ مار دیا۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو بچانے کے لیے اٹھیں تو عمر نے انھیں بھی مارا اور انھیں زخمی کردیا۔ جب انھوں نے یہ صورت حال دیکھی تو ان دونوں نے بے خوف ہوکر کہا: ''جی ہاں! ہم مسلمان ہوچکے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاچکے ہیں، آپ جو کرسکتے ہیں کریں۔''

سیدنا عمر نے اپنی بہن کا خون بہتے ہوئے دیکھا تو اپنے کیے پر نادم ہوئے اور نرم پڑگئے اور اپنی بہن سے کہا: ذرا وہ صحیفہ مجھے دینا جسے تم ابھی ابھی پڑھ رہے تھے۔ میں بھی تو دیکھوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا لے کے آئے ہیں۔''

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہمیں ڈر ہے کہ آپ ہمیں واپس نہیں کریں گے۔''

عمر نے کہا: ''تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، مجھے اپنے معبودوں کی قسم! میں اسے پڑھنے کے بعد تمھیں واپس کردوں گا۔''

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات سنی تو انھیں عمر کے اسلام قبول کرنے کی امید نظر آئی، انھوں نے کہا: ''بھائی جان! آپ مشرک ہونے کی وجہ سے پلید ہیں۔ اسے وہی شخص ہاتھ لگا سکتا ہے جو پاک ہو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور غسل کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفہ انھیں دیا، اس میں سورۂ طٰہٰ مرقوم تھی۔ جب عمر نے بڑے انہماک سے پڑھ لیا تو فرمایا: ''یہ کلام کتنا ہی اچھا اور خوبصورت ہے۔''

خباب رضی اللہ عنہ نے جب یہ آواز سنی تو سامنے آگئے اور کہا: ''اے عمر! واللہ! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد آپ ہی کو خاص کیا ہے۔ کل میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ ''اے اللہ! اسلام کو ابوحکم بن ہشام یا عمر کے ذریعے سے تقویت دے۔''

سیدنا عمر نے فرمایا: ''خباب! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتا بتاؤ، میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔''

خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے قریب ایک گھر میں مقیم ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی موجود ہیں۔

سیدنا عمر نے اپنی تلوار اٹھائی اور لہراتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا کہ عمر بن خطاب ہیں اور انھوں نے تلوار بھی میان سے باہر نکالی ہوئی ہے۔ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو گھبرائے ہوئے تھے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! دروازے پر عمر ہیں اور انھوں نے تلوار نکالی ہوئی ہے۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسے اجازت دے دو۔ اگر خیر کے ارادے سے آیا ہے تو ہم سے خیر ہی پائے گا وگرنہ ہم اسے اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اسے اجازت دے دو۔'' وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور ان کا دامن زور سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: ''عمر! کس نیت سے آئے ہو؟

مجھے نہیں لگتا کہ تم باز آؤ گے یہاں تک کہ اللہ کا عذاب تم پر نازل ہو۔"

عمر نے کہا: "یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس اسلام قبول کرنے آیا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول پر اور جو کچھ اس کا رسول لے کر آیا اس پر ایمان لاتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو گیا کہ عمر اسلام لے آئے ہیں۔[1]

یہ وہ کردار ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے لیے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ اور زیادہ متحرک ہو گئے اور خفیہ اور علانیہ اسلام کی دعوت عام کرنے لگے۔ دعوتی مشن میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنا پیشہ ترک کر دیا۔ آپ نے قریش کے ساتھ اپنا حساب کتاب ختم اور آپ کے ساتھ جو لوگ کام کرتے تھے آپ نے ان سے اپنا حق مانگا تاکہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ یا کسی دوسرے علاقے کو ہجرت کر جائیں۔

کمزور مسلمانوں کو صبح و شام طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ عذاب دینے والے وہ لوگ تھے جن کے دل پتھر کی مانند تھے، رحمت و شفقت سے ناواقف تھے، ان کے دل بصیرت سے خالی تھے جو انھیں اللہ کے نور کی طرف لے جاتی۔

ایسے کمزور مسلمانوں کا کیا بنا؟

کچھ تو اسی تشدد میں شہید ہو گئے، جیسے سمیہ ام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور دوسرے کچھ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔

اس موقع پر ان بے بس اور مستضعفین (کمزوروں) میں سے ایک جماعت

[1] الطبقات الکبرٰی: 368/3، و السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 366/1.

رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور رسول اللہ ﷺ سے ان کافروں اور ظالموں کے خلاف لڑنے کی اجازت چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت سے نوازے یا ان کی آل اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا کردے جو اللہ کی عبادت کرنے اور محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوں۔

اس پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ آپ ہمارے لیے مدد مانگیے۔

رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم سے پہلے لوگوں کو پکڑ کر ان کے دو ٹکڑے کردیے جاتے، پھر بھی وہ اپنا دین نہ چھوڑتے۔ ان کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتیں جس سے ان کا جسم نوچ ڈالتے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دین سے نہ پھرتے۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل کرے گا یہاں تک کہ صنعا سے حضرموت تک اکیلا مسافر سفر کرے گا اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا یا پھر اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خطرہ ہوگا لیکن تم جلدی کررہے ہو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ سچ فرمایا تھا۔ جیسا آپ ﷺ نے وعدہ اور پیشین گوئی دی تھی ویسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں نے بہت سے ملکوں کو فتح کیا اور دنیا کے کونے کونے سے بے بہا مال و دولت ان کے پاس جمع ہونے لگی۔ یہی کمزور اور بے بس سمجھے جانے والے لیڈر اور سردار بنے اور یوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلمہ بلند و بالا ہوا اور ملتِ کفر رسوا اور ذلیل ہوئی۔

[1] حلية الأولياء: 1/74، وصحيح البخاري، حديث: 3612.

اس کے بعد کیا ہوا؟ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہاں کوچ کر گئے؟

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ خباب رضی اللہ عنہ نے دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی تھی؟ پھر واپس مکہ آئے اور پھر مدینہ کو ہجرت کی تھی۔ مدینہ کو ہجرت کرنے کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت حاصل کرنا تھا۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خباب اور جبر بن عتیق رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات قائم کی تھی۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کی عیادت کرنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے تھے۔ ان کے گھر والوں میں سے کسی نے کہا: ''ہمیں تو یہ امید تھی کہ جبر رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں گے (لیکن یہ تو بستر پر فوت رہے ہیں)۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یوں تو پھر میری امت کے شہید کم ہی ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے جو قتل ہوا وہ شہید ہے۔ پیٹ کی بیماری سے فوت ہونے والا بھی شہید ہے۔ طاعون سے مرنے والا بھی شہید ہے۔ کنواری عورت فوت ہو جائے تو وہ بھی شہید ہے۔ جل کر مرنے والا اور ڈوب جانے والا بھی شہید ہے۔ اور نمونیے سے مرنے والا بھی شہید ہے۔''[1]

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ ایک جنگجو انسان تھے اور شہادت کے متمنی تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ کسی بھی غزوے سے پیچھے نہیں رہے۔ آپ مختلف سرایا اور دشمن کی سپاہ کا اندازہ لگانے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجے جانے فوجی دستوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن مدرک سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ایک دفعہ میرے والد صاحب ایک غزوے پر گئے، انھوں نے ہمیں

[1] الطبقات الکبرٰی:2/272، و صحیح البخاري، حدیث:653.

صرف ایک بکری دی اور کہا: ''جب تم اسے دوہنا چاہو تو اصحاب صفہ کے پاس لے جانا۔'' فرماتی ہیں: ہم وہ بکری وہاں لے کر گئے تو رسول اللہ ﷺ خود تشریف فرما تھے آپ نے بکری کو اپنی گرفت میں لیا اور دودھ دوہنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس جو سب سے بڑا برتن ہو وہ لے کر آؤ۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں گئی اور برتن تلاش کرنے لگی، مجھے صرف آٹے والا برتن ملا، میں وہی لے کر آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس میں دودھ دوہا، وہ مکمل طور پر بھر گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ! خود بھی پیو اور اپنے ہمسایوں کو بھی پلاؤ۔ جب پھر ضرورت پڑے تو میرے پاس لے آنا۔''

بنت خباب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں جس وقت ضرورت ہوتی ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بکری لے کر چلے جاتے۔ آپ نے ہمیں خوب سیر کر دیا۔ جب میرے والد صاحب واپس آئے اور بکری کو دوہا تو وہ اسی پہلے والی حالت پر واپس آ گئی۔ میری ماں کہنے لگی: ''آپ نے ہماری بکری کو خراب کر دیا ہے۔'' حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ کیسے؟'' وہ کہنے لگیں: ''ہمارا یہ بڑا ڈونگا بھر جاتا تھا اس کے دودھ سے۔'' خباب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''بکری کو کون دوہتا تھا؟ میری والدہ نے جواب دیا: ''رسول اللہ ﷺ۔''

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''تو کیا تم نے مجھے آپ ﷺ کے برابر سمجھ لیا تھا۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں جو برکت ہے وہ میرے ہاتھوں میں کہاں۔'' [1]

اے خباب! تو نے بالکل سچ کہا ہے۔ کرۂ ارض پر آپ ﷺ سے زیادہ کسی کی برکت نہیں ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کے لیے سراپا رحمت و ہدایت ہیں۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے بچوں کی دیکھ بھال کیا

[1] الطبقات الکبریٰ: 290/8.

کرتے تھے جبکہ وہ محاذ پر لڑ رہے ہوتے تھے، گویا آپ ﷺ ایک نہایت رحیم اور نرم دل والد کی طرح تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ ﷺ کی تربیت کرنے والا خود اللہ تعالیٰ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی بڑے احسن انداز میں تربیت کی ہے۔

ایک قائد اور لیڈر کو اپنے لشکریوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ ایک سپاہی اور مجاہد کو میدان معرکہ میں سب سے بڑی فکر بیوی بچوں اور رشتے داروں کی لاحق ہوتی ہے۔ جب اسے یہ اطمینان ہوگا کہ اس کا امیر اور سربراہ اس کے خاندان اور فیملی کا مکمل طور پر خیال رکھے گا اور ان کی عزت کی حفاظت کرے گا تو جب وہ معرکہ اور میدان کارزار میں داخل ہوگا تو بڑے جذبے، بہادری اور عزم کے ساتھ داخل ہوگا۔ اس کا مقصد یا تو مسلمانوں کی کامیابی ہوگا یا پھر شہادت کا حصول۔

طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئی تو انھوں نے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے ابوعبداللہ! خوش ہوجایئے۔ آپ اپنے بھائیوں سے ملنے والے ہیں۔'' سیدنا خباب رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: ''میں کوئی جزع فزع نہیں کر رہا۔ تم نے مجھے عظیم لوگوں کی یاد دلا دی ہے اور تم نے مجھے ان کا بھائی کہا ہے، وہ لوگ تو اپنا مکمل اجر لے کر اللہ کے پاس پہنچے ہیں۔

اور جب ان کے پاس ان کا قباطی کفن لایا گیا تو پھر رو پڑے اور فرمایا: ''ہائے! رسول اللہ ﷺ کے پیارے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو جس چادر میں کفن دیا گیا وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر پاؤں ڈھکتے تو سر ننگا ہوجاتا اور سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہوجاتے حتی کہ ان کے پاؤں پر اذخر بوٹی کے پتے ڈالے گئے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا اور میرے پاس ایک درہم یا دینار بھی نہیں ہوتا تھا اور اب

میرے گھر میں اس تابوت میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں۔ مجھے تو خوف ہے کہ کہیں ہمیں ہماری نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں نہ دے دیا گیا ہو۔"

جی ہاں، دنیا نے مسلمانوں کے لیے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیے تھے اور مسلمانوں نے اس کے خزانوں اور جواہرات میں سے بہت کچھ حاصل کیا اور یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے خدشے کا اظہار فرمایا تھا: "مجھے تمھارے بارے میں کسی قسم کی تنگدستی کا ڈر نہیں ہے۔ مجھے تو خوف ہے کہ تمھیں دنیا اور اس کی زینت وافر مقدار میں مل جائے گی (اور تم اسی میں مگن ہو جاؤ گے)۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان بالکل سچ ہے۔ دنیا کے چاروں اطراف میں مسلمانوں کے گھوڑے دوڑتے نظر آئے، بڑے بڑے ملکوں کو فتح کیا، مسلمانوں کو خزانوں کی چابیاں پکڑا دی گئیں اور انھیں اسی طرح زندگی کی آسائشیں میسر آئیں جس طرح بادشاہوں کو بڑے بڑے محلات میں حاصل ہوتی ہیں۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے اپنے زندگی کے آخری ایام کوفہ میں گزارے جس میں بہت سی خوبیاں، چھوٹے بڑے مختلف قسم کے باغات عام ہیں لیکن یہ تمام چیزیں آپ کو اپنے دین سے اور اپنے رب سے غافل نہ کر سکیں، حتی کہ انھوں نے فوت ہونے سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور فرمایا:

"اے میرے بیٹے! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے کوفہ کے اس بالائی میدان میں دفن کرنا۔ جب تو مجھے یہاں دفن کرے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہاں پر صحابی رسول مدفون ہیں، چنانچہ وہ بھی اپنے مردے یہیں دفن کریں گے۔"

[1] صحيح البخاري، حديث: 4015.

فرماں بردار بیٹے نے اپنے صالح باپ کی وصیت کو انجام دیا اور جس طرح کہ خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا لوگ بھی اپنے مرنے والوں کو یہیں دفن کرنے لگے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے لوٹے تو ان کا گزر کوفہ کے اس بالائی علاقے سے ہوا جہاں قبرستان بنا ہوا تھا۔ انھوں نے یہ دیکھ کر فرمایا:

''یہ قبریں کیسی ہیں؟''

آپ رضی اللہ عنہ کو جواب دیا گیا: امیر المومنین! آپ کے جانے کے بعد خباب رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو یہیں پہ دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ اس سے پہلے لوگ مردوں کو اپنے گھروں اور صحنوں میں دفنایا کرتے تھے۔ کوفہ کے اس میدان میں دفن ہونے والے خباب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں۔ اب لوگوں نے بھی اپنے فوت ہونے والوں کو ان کے پہلو میں دفن کرنا شروع کر دیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ خباب (رضی اللہ عنہ) پر اپنی رحمت فرمائے۔ انھوں نے بڑے شوق سے اسلام قبول کیا، حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کرتے ہوئے ہجرت بھی کی، اپنی زندگی مجاہد بن کر گزاری اور انھیں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ اچھے اعمال کرنے والوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرتا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں کچھ دیر رکے اور یہ دعا پڑھی۔

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ الْمُوحِشَةِ، وَالْمَحَالِّ الْمُقْفِرَةِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ، أَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ فَارِطٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، وَبِكُمْ عَمَّا قَلِيلٍ لَاحِقُونَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ

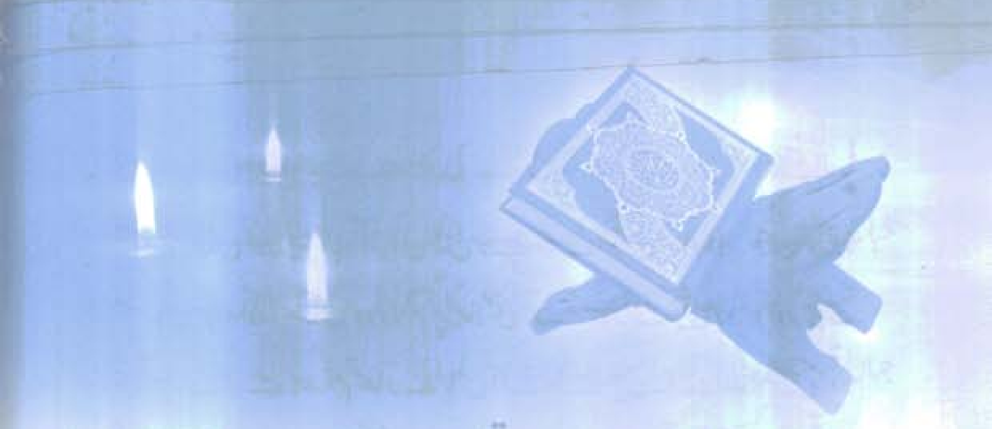
لَنَا وَ لَهُمْ وَ تَجَاوَزْ بِعَفْوِكَ عَنَّا وَ عَنْهُمْ»

”اے ویران اور غیر آباد گھروں میں رہنے والے مومن مردو اور مومن عورتو! مسلمان مردو اور مسلمان عورتو! تم پر سلامتی ہو۔ تم ہمارے پیش رو ہو اور بہت ہی تھوڑے عرصے بعد ہم تمھارے پاس آنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اور انھیں معاف فرما اور اپنی بخشش کے ساتھ ہمارے اور ان کے گناہوں سے تجاوز فرما (آمین!)“ [1]

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ 73 سال کی عمر میں 37ھ میں فوت ہوئے۔ [رضی اللہ عنہ و أرضاہ]



[1] أسد الغابة: 316/1، والكامل لابن الأثير: 234/3.



تتمہ

ایک عقلمند اور سمجھدار آدمی کے دل میں خیال آسکتا ہے کہ جس طرح پہلے زمانے میں اسلام غالب ہوتا تھا اور اسے فتح و کامیابی حاصل ہوتی تھی آج ایسا کیوں نہیں ہو رہا؟

اور ایسا کیوں ہے کہ اسلام کے پیروکار اسی طرح دنیا کی قیادت و سیادت نہیں کر رہے جس طرح کے ان کے آباؤ اجداد نے ظہور اسلام کے وقت کی تھی؟

کیا اسلام کے مفاہیم بدل چکے ہیں اور اب ان پر عمل کرنا ناممکن ہے؟ یا اسلام کے ارکان کم ہو گئے؟

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب لاحق نہیں ہوا۔ ہمارے پاس جو کتاب الٰہی موجود ہے یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ پر نازل فرمائی تھی۔ اگر یہ بات ہے تو پھر مسلمانوں کی کمزوری کا کیا سبب ہے، وہ امت کی قیادت و سیادت کیوں نہیں کر رہے، ان کے پاس ایک مرکز کیوں نہیں ہے؟

ہم ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہیں گے:

اسلامی تحریکوں کا تجزیہ نگار بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ مسلمان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے نبی ﷺ کے اُسوہ کو

اور نورِ اسلام کو چھوڑتے اور نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں نے انھیں راہ حق سے دور کر دیا ہے۔ اور اب وہ حیران و گرداں ہیں کہ ان سے خروج اور چھٹکارا کیسے ممکن ہے؟

اس وقت ان رجال کار کی اشد ضرورت ہے جو اسلام کو اپنے تصرفات میں حاکم بنائیں، اپنی زندگی کے لیے ضابطۂ حیات بنائیں، اپنے ہر خاص و عام معاملات میں اسلام کو فیصل تسلیم کریں، اسے دستور اور فیصلوں کے لیے منبع قوانین مانیں۔

اگر ایسے رجال کار اور انقلابی جوان میسر آ جائیں تو وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ لا سکتے ہیں، وہی عزت و مجد اور سلطنت واپس لا سکتے ہیں۔

لیکن ایسے رجال کار اور رجال اسلام کہاں سے لائیں؟

میدان ایسے جوانوں سے بھرے ہوتے تھے، اب وہ میدان کیوں یکسر خالی ہیں؟

چہار دانگِ عالم میں ان کی آواز کی بازگشت ہوتی تھی، اب خوفناک سناٹا کیوں ہے؟

ہمارے موجودہ دور کی تاریخ پر نگاہ رکھنے اور وچار کرنے والا اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ بہت سے شہروں اور ملکوں میں اسلامی تحریکوں کے لیڈروں اور قائدین پر ایسی ایسی مصیبتیں اور آزمائشیں نازل ہو چکی ہیں کہ اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر نازل ہوتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ بہت سے داعیوں اور لیڈروں کو قید کر دیا گیا، ان کے اعضا کاٹ کر کتوں اور درندوں کو کھلائے گئے۔ ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا، ان کی عزت و عصمت کو پامال کیا گیا، ان کے صحیفے غلیظ اور ناپاک قدموں تلے روندے گئے، ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور میڈیا کے ذریعے سے انھیں بدنام کیا گیا حتی کہ انھیں انسانوں کی فہرست سے بھی نکال دیا گیا۔

ان میں سے بہت سے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکے اور وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور ان کی لاشیں بھی نہیں مل سکیں۔ اگر کچھ قید سے نجات پا گئے ہیں تو وہ بھی موت کے زیادہ قریب ہیں۔

ہمارے زمانے کا یہی بہت بڑا المیہ ہے۔ اور ایسا ہر شہر اور ہر دور میں قائدین کے ساتھ ہوتا رہا ہے حتی کہ اللہ کے برگزیدہ رسول، انبیا اور صالحین پر بھی ایسی ہی آزمائشیں آئی تھیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ ایمان کا تاوان ہے۔

یا پھر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں اور سرکشوں کو اپنے دین کے پیروکاروں کو عذاب اور تکلیف دینے کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی حکمت کے تحت میں ہے کہ جس کی تہہ تک ہماری یہ ناقص عقل نہیں پہنچ سکتی۔ یا پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کے صبر اور ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہے تاکہ زبان سے اور دل سے مسلمان ہونے والوں میں فرق کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝﴾

”(پھر) کیا تمھارا خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلات) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزرے، ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب (آنے والی) ہے؟ آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔“ [1]

[1] البقرۃ 2:214.

جی ہاں! جو بھی ہو آخر کار مدد مومنوں اور مخلص بندوں ہی کے لیے نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔''[1]

یہ قانون حیات اور قانون فطرت ہے۔ تاریخ ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ انبیاء کے پیروکاروں پر کیسی کیسی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ ظالم اور جابر ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے لیکن پھر بھی وہ اپنے دین و ایمان سے نہ پھرتے۔

مسند احمد میں سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ ہو گزرا ہے جس کا ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو اس نے بادشاہ سے کہا: بادشاہ سلامت! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ رہا ہے۔ آپ مجھے ایک ہونہار بچہ دیں جسے میں علم جادو سکھا سکوں۔ بادشاہ نے اسے ایک ہوشیار بچہ فراہم کر دیا اور وہ اسے جادو سکھانے لگا۔ جادوگر کے گھر اور بادشاہ کے محل کے درمیان ایک راہب کا گھر بھی پڑتا تھا۔ بچہ راہب کے پاس بھی چلا گیا اور اس کا کلام سنا، بچے کو راہب کا کلام بہت بھایا، چنانچہ اس نے راہب کے پاس جانا اور اس کا کلام سننا اپنا معمول بنا لیا۔ جس کی وجہ سے وہ جادوگر کے پاس دیر سے پہنچتا اور جادوگر اسے مارتا اور کہتا: دیر

[1] الأنبیآء 105:21.

سے کیوں آئے ہو۔ جب وہ گھر واپس جاتا تو گھر والے اسے مارتے اور پوچھتے کہ لیٹ کیوں آئے ہو۔ بچے نے راہب کو یہ صورت حال بتائی تو راہب نے کہا: جب جادوگر تجھے مارنے لگے تو تو کہہ دیا کر کہ گھر والوں نے مجھے دیر سے روانہ کیا ہے اور جب گھر والے پیٹنے لگیں تو بول دیا کر کہ میرے استاد نے دیر سے چھٹی دی ہے۔ ایک دن یوں ہوا کہ جس راستے سے وہ جارہا تھا اس پر ایک بڑا سا موذی جانور بیٹھا ہوا تھا اور لوگ ڈر کی وجہ سے راستہ عبور نہیں کر پا رہے تھے اور یوں راستہ بند ہو چکا تھا۔ بچے نے یہ دیکھا تو کہا: آج میں دیکھوں گا کہ اللہ کو راہب کا دین پسند ہے یا جادوگر کا۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: ''اے اللہ! اگر تجھے راہب کا دین جادوگر کے دین سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ گزر سکیں۔'' ساتھ ہی اس نے پتھر جانور کو مارا تو وہ ہلاک ہو گیا اور لوگ چل پڑے۔

راہب کو اس کا پتا چلا تو اس نے کہا: ''پیارے بیٹے! تم اب مجھ سے افضل ہو، عنقریب تیری آزمائش ہوگی۔ اگر تجھ سے میرے بارے میں پوچھا جائے تو مت بتانا۔''

چنانچہ وہ لڑکا کوڑھ، برص اور دوسری بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے لیے دعا کرتا تو انھیں شفا مل جاتی۔ اس عرصے میں بادشاہ کے ایک درباری کی بینائی جاتی رہی تو اسے بھی اس لڑکے کے بارے میں بتایا گیا۔ یہ شخص ڈھیر سارے تحائف لے کر اس بچے کے پاس آیا اور کہا: ''مجھے تو شفا دے دے، یہ سب کچھ تیرا ہوگا۔''

لڑکے نے کہا: ''میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے تو میں اس سے تمھارے حق میں دعا کروں گا، وہ تمھیں ضرور بینائی واپس کر دے گا۔'' چنانچہ اس نے ایمان قبول کر لیا تو بچے نے دعا کی تو وہ پہلے کی طرح ٹھیک ہو گیا، پھر وہ شخص معمول کے مطابق بادشاہ کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا:

''تیری بینائی کس نے واپس لوٹائی ہے؟''

درباری: ''میرے رب نے۔''

بادشاہ: ''میں نے؟''

درباری: ''نہیں! جو میرا اور تیرا رب ہے اس نے۔''

بادشاہ: ''تو کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟''

درباری: ''جی ہاں! میرا اور تیرا رب۔''

چنانچہ بادشاہ نے اسے بہت سزائیں دیں حتی کہ اس نے بچے کے بارے میں بتا دیا تو اس (بچے) کو گرفتار کر لیا گیا۔

بادشاہ نے لڑکے سے کہا:

''او لڑکے! تیرا جادو اتنا بڑھ گیا ہے کہ تو کوڑھ، برص اور دوسری بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو ٹھیک کر دیتا ہے؟''

لڑکا: ''میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ دیتا ہے۔''

بادشاہ: ''کیا تیری مراد میں ہوں؟''

لڑکا: ''نہیں۔''

بادشاہ: ''کیا میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے؟''

لڑکا: ''میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔''

بادشاہ نے لڑکے کو عذاب دینا شروع کر دیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس نے راہب کے بارے میں بتا نہیں دیا۔

راہب کو لایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا: اپنے دین سے پھر جا۔ راہب نے انکار کر دیا، چنانچہ اس کے سر پر آری چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے گئے۔

بادشاہ نے پھر بچے سے کہا: ''اپنے دین سے پھر جا۔'' بچے نے انکار کیا تو بادشاہ نے اپنے فوجیوں سے کہا: اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ۔ چوٹی پر پہنچ کر اس سے پوچھو۔ اگر اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے وہیں سے گرا دینا۔ وہ اسے لے کر چلے گئے۔ جب چوٹی پر پہنچے تو لڑکے نے اللہ سے دعا کی۔ ''اے اللہ! جس طرح تو چاہے مجھے ان سے نجات دے۔'' اسی لمحے پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ سب کے سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ لڑکا خود چل کر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا: ''تیرے ساتھ میں نے جو فوجی بھیجے تھے وہ کہاں گئے؟ لڑکے نے جواب دیا: ''اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا ہے اور انھیں ہلاک کر دیا ہے۔''

بادشاہ نے اپنے مزید فوجی بھیجے اور اسے سمندر میں لے جانے کا حکم دیا اور کہا: جب تم درمیان میں پہنچو تو اس سے پوچھنا۔ اگر اپنا دین چھوڑ دے تو ٹھیک وگرنہ اسے پانی میں پھینک دینا۔ وہ اسے سمندر کے درمیان میں لے گئے۔ بچے نے دعا کی: ''اے اللہ! جس طرح تو چاہے مجھے ان سے نجات دے۔'' چنانچہ وہ بھی سمندر میں ڈوب کر مر گئے۔ لڑکا واپس بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا: ''فوجی کہاں ہیں؟''

لڑکے نے جواب دیا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا ہے، پھر اس نے بادشاہ سے کہا: تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس طرح نہ کرے جس طرح میں کہوں۔ اگر میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تو مجھے مارے گا تو میں مر جاؤں گا ورنہ تو مجھے نہیں مار سکتا۔

بادشاہ نے کہا: ''تجھے مارنے کا کیا طریقہ ہے؟''

لڑکا: ''لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر، مجھے کھجور کے ساتھ باندھ، میرے ترکش سے میرا تیر نکال اور کہہ: ''بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ'' ''لڑکے کے رب کے نام کے ساتھ مارتا ہوں۔'' اگر تو ایسا کرے گا تو میں مر جاؤں گا۔''

بادشاہ نے لڑکے کے کہنے کے مطابق تیر کمان میں رکھا اور پھینکتے ہوئے کہا:

''بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ''

تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا اس نے اپنا ہاتھ تیر کے لگنے کی جگہ پر رکھا اور اسی لمحے وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا: «آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ» ''ہم بچے کے رب پر ایمان لائے ہیں۔''

بادشاہ سے کہا گیا: ''جس سے آپ ڈر رہے تھے وہی ہوا ہے۔ سارے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، بادشاہ نے کنویں اور خندقیں کھودنے کا حکم دیا، خندقوں میں آگ بھڑکائی گئی۔ ظالم بادشاہ نے حکم دیا: جو اپنے نئے دین سے پھر جائے اسے چھوڑ کر باقی سب لوگوں کو اس آگ میں جھونک دو۔

راوی کہتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے دھکے دیتے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ اسے آگ

میں کودنے میں کچھ پریشانی ہوئی۔ اس کے دودھ پیتے بچے نے کہا: ''امی جان صبر کیجیے، آپ بے شک حق پر ہیں۔'' [1]

اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾

''ہلاک کیے گئے خندقوں والے۔ (ان خندقوں میں) آگ تھی ایندھن والی۔ جبکہ وہ ان خندقوں (کے کناروں) پر بیٹھے تھے اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔ انھیں ان (مومنوں) کا یہی کام برا معلوم ہوا کہ وہ اللہ، غالب، قابلِ تعریف پر ایمان لائے تھے۔ وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔'' [2]

اس داعی لڑکے نے وہ فطری اسلوب پہچان لیا تھا جس کے ذریعے سے اس کی دعوت لوگوں تک پہنچ سکتی تھی، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی واضح اور روشن دلیلیں اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے لوگوں کو دکھاتا اور لوگوں پر ان معجزات اور آیات پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا۔

بادشاہ جو الوہیت کا مدعی بنا بیٹھا تھا، اس کے کانوں تک بھی لڑکے کی دعوت اور لوگوں کے اس کے اتباع کرنے کی خبر پہنچی۔ بادشاہ کو فوراً اپنی کرسی اور بادشاہت کی فکر لاحق ہوگئی اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ اگر لڑکے کی تحریک اور دعوت اسی طرح مؤثر انداز میں کامیاب ہوتی گئی تو اس کا تختہ الٹ سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے بچے کو قتل

[1] صحیح مسلم، حدیث: 3005، و مسند أحمد: 16/6. [2] البروج 85: 4-9.

کرنے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے، مثلاً اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ جاؤ، اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرادو۔ جب یہ طریقہ کامیاب نہ ہوا تو کہا: اسے سمندر میں پھینک آؤ لیکن اس طرح بھی وہ نامراد ہوئے۔ اسی طرح باطل نے حق مٹانے کے لیے جو بھی وسائل استعمال کیے اور جو بھی وساوس شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالے سب کے سب ناکام ہوئے۔ اس وقت بچے نے یہ چاہا کہ اس کی دعوت تمام لوگوں تک پہنچنی چاہیے اور لوگ بڑے قریب سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محوِعمل دیکھیں۔ اس مقصد کے لیے چاہے اس کی جان بھی چلی جائے۔ ہر داعی یہ جانتا ہے کہ ہر ذی روح کا ایک وقت مقرر ہے جس پر اسے اٹھا لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾

''اور کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے موت کا وقت لکھا ہوا ہے۔''[1]

اس داعی لڑکے نے چاہا کہ اللہ کا یہ پیغام لوگوں تک اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ذریعے سے پہنچے اور پھر وہ مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچ جائے۔ جو داعی اپنے عقیدے سے محبت کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی دعوت سرکشوں اور طاغوتوں تک پہنچے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو اور بت پرستی کا صنم ٹوٹے، انھیں اسی لڑکے کی طرح ہونا چاہیے۔

جب یہ آزمائش اسلام سے قبل داعیوں پر آئی تو داعیانِ اسلام اس سے کئی گنا زیادہ آزمائشوں اور فتنوں میں مبتلا کیے گئے۔

[1] آل عمرٰن 3:145۔

ہم یہ مبحث عظیم تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور بنوامیہ کے قائد حجاج بن یوسف کے درمیان ہونے والے ایمان افروز مکالمے پر ختم کرتے ہیں۔

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سرکشوں اور شیطان کے پیروکاروں کو بے نقاب کیا تو حجاج نے انھیں قتل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا چنانچہ انھیں گرفتار کرکے دربار میں حاضر کیا گیا تو حجاج نے پوچھا:

''تمھارا نام کیا ہے؟''

سعید رحمہ اللہ: ''سعید بن جبیر۔'' (سعید بمعنی: خوش بخت۔ جبیر بمعنی: نقصان پورا کرنے والا)

حجاج: ''نہیں، تیرا نام شقی بن کسیر ہے۔'' (شقی بمعنی: بدبخت، کسیر بمعنی: نقصان دہ)

سعید رحمہ اللہ: ''میری ماں تجھ سے زیادہ جانتی تھی کہ میرا نام کیا ہے۔''

حجاج: ''تو بھی بدبخت ہے اور تیری ماں بھی۔''

سعید رحمہ اللہ: ''یہ تو غیبی امور ہیں جنھیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔''

حجاج: ''میں تمھاری دنیا کو شعلے مارتی آگ سے بدل دوں گا۔''

سعید رحمہ اللہ: ''اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ تو یہ سب کچھ کرسکتا ہے تو میں تجھے اپنا معبود بنالوں۔''

حجاج ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟''

سعید رحمہ اللہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت اور امام الھدی ہیں۔''

حجاج: ''تو ہنستا کیوں نہیں ہے؟''

سعید رحمہ اللہ: ''ایسی مخلوق کیسے ہنس سکتی ہے جو مٹی سے بنی ہے اور مٹی کو آگ نے کھانا ہے۔''

حجاج: ''پھر ہم کیوں ہنستے ہیں؟''

سعید رحمہ اللہ: ”تمھارے دل سیدھے نہیں ہیں۔“

حجاج جب اس طریقے سے کامیاب نہ ہوا تو اس نے ایک اور طریقے سے سعید رحمہ اللہ کو شرمندہ اور رسوا کرنا چاہا۔ حجاج نے سونے چاندی اور موتی جواہرات اور یاقوت کا ڈھیر لگا دیا لیکن ان چیزوں کی رسائی اس دل تک کیسے ممکن ہے جس میں اللہ کی محبت، دنیا سے بے رغبتی اور زہد ہو۔

یہ سب دیکھ کر سعید رحمہ اللہ نے کہا: ”اگر تو نے یہ سب اس لیے جمع کیا ہے کہ اس کے ذریعے سے قیامت والے دن کی گھبراہٹ سے آزادی مل جائے گی تو یہ سوچ غلط ہے۔ اس وقت کے ایک لمحے کی گھبراہٹ اور سختی ماں کو دودھ پلانا بھلا دے گی اور دنیا کے لیے مال جمع کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوائے اس کے جو پاکیزہ اور جائز و حلال ہو۔“

حجاج نے موسیقی کی محفل جمانے کا حکم دیا تو سعید رحمہ اللہ رو پڑے۔ حجاج نے کہا:

”کیوں روتے ہو؟ کیا یہ لہو ولعب ہے؟“

سعید رحمہ اللہ: نہیں، یہ بڑے دکھ کی بات ہے۔ اس محفل میں موسیقی کے آلات میں پھونک ماری گئی تو اس سے مجھے قیامت کے دن صور میں پھونکا جانا یاد آ گیا اور یہ عود جو تو نے اس محفل میں جلائی ہے، یہ وہ درخت ہے جسے ناحق کاٹ لیا گیا ہے۔ اور موسیقی کے آلات کے تار جن جانوروں کی آنتوں سے بنائے گئے ہیں وہ بھی قیامت کے دن تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

حجاج: ”تیرے لیے ویل اور ہلاکت ہے۔“

سعید رحمہ اللہ: ”ویل اور ہلاکت اس کے لیے ہے جو جنت سے دور کر دیا جائے اور جہنم کے قریب کر دیا جائے۔“

حجاج: ''تو ہی بتا میں تجھے کس طرح قتل کروں۔''

سعید ؒ: ''نہیں تو خود پسند کر۔ کیونکہ جس طریقے سے تو مجھے قتل کرے گا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اسی طرح کی سزا دے گا۔''

حجاج: ''کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کروں؟''

سعید: ''اگر معافی ملی تو وہ اللہ کی طرف سے ملے گی لیکن تجھے کوئی معافی نہیں ملے گی اور نہ ہی تیرے پاس کوئی عذر ہوگا۔''

حجاج نے حکم دیا: ''اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔''

دروازے پر پہنچے تو سعید بن جبیر ؒ ہنسنے لگے۔ حجاج کو یہ بات بتائی گئی تو اس نے انھیں واپس لانے کا حکم دیا اور کہا:

''کس بات پر ہنس رہے تھے؟''

سعید ؒ: ''اللہ تعالیٰ پر تیری جرأت کے اظہار پر اور اللہ کے تجھ سے درگزر کرنے پر مجھے تعجب ہوا۔''

حجاج: ''اسے قتل کر دو۔''

سعید ؒ: ''(دعا پڑھتے ہوئے): ''إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ''

حجاج: ''اس کا منہ قبلے کی طرف سے ہٹا دو۔''

سعید ؒ: (آیت پڑھتے ہوئے) ﴿ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ ''تم جہاں بھی منہ پھیرو وہیں اللہ کی ذات ہے۔''[1]

[1] البقرة 2:115.

حجاج: ''اسے الٹا منہ کرو۔''

سعید رحمہ اللہ: (قرآنی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے):

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾

''ہم نے تمھیں اسی (مٹی) سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمھیں دوبارہ لوٹائیں گے اور ایک مرتبہ پھر تمھیں اس سے نکالیں گے۔''[1]

حجاج: ''اسے ذبح کرو۔''

سعید رحمہ اللہ: ''سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حجاج! مجھ سے یہ گواہی لے لو، قیامت والے دن اس گواہی کے ساتھ تمھارے ساتھ ملاقات ہوگی۔''

اس کے بعد سعید رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! حجاج کو میرے قتل کے بعد کسی شخص پر مسلط نہ کرنا۔''

تاریخ دان کہتے ہیں کہ حجاج اس واقعے کے پندرہ دن بعد مر گیا۔[2]

تو کیا اس اکیسویں صدی میں ان جیسے داعی موجود ہیں؟ اگر ہیں تو گویا اللہ کی نصرت اب بھی قریب ہے اور جس دن اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی تو مومن خوش ہوں گے۔

اور اگر ایسے داعی اور راہنما ناپید ہیں تو علمائے کرام اور مخلصین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے رجال کار قرآنی مدارس سے تیار کریں اور انھیں آگے لے کر آئیں۔

کیا ہم ایسا کرنے والے ہیں؟

ہمیں اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ ہم یہ کام ضرور کریں گے..........

---

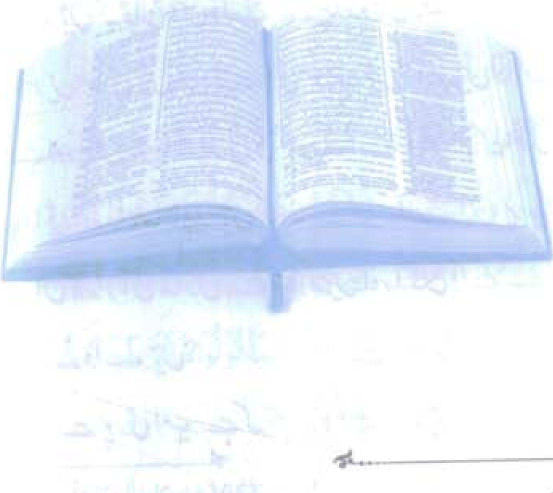
[1] طٰهٰ 20:55. [2] سير أعلام النبلاء: 4/330-332.

ساتویں آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ○﴾

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔“ [1]



[1] النسآء 4:58.



نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت سیدنا عثمان بن طلحہ جمحی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ دیکھیے:

الدر المنثور:2/174.

تفسير الطبري:8/491.

أسباب نزول القرآن، ص:151,150.

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ

بہت بڑے سورما اور مرد میدان تھے۔ اس وقت تک دعوت اسلام قبول نہیں کی جب تک تمام دلائل دیکھ نہیں لیے کہ محمد ﷺ سچے ہیں کیونکہ اگر آپ ﷺ جھوٹے ہوتے تو جھوٹ ظاہر ہوجاتا۔ اگر آپ ﷺ جھوٹے داعی ہوتے تو قریش ضرور آپ ﷺ کو شکست دے دیتے۔

حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے، آپ ﷺ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے پے در پے شکستوں کے بعد رسائی حاصل کی جنھوں نے قریش کی کمر توڑ دی تھی۔

آپ کے والد کا نام طلحہ بن ابی طلحہ تھا۔

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریشی لشکر میں موجود تھے، ان کے ساتھ ان کی بیوی سلافہ بنت سعد بھی تھی۔ اسی طرح قریشی لشکر میں ابوسفیان بن حرب اور اس کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھی، انھی سرداروں کی اقتدا میں ہر گھڑ سوار قریشی کے ساتھ اس کی بیوی بھی میدان کارزار میں موجود تھی۔ اس معرکے میں کمانڈروں اور جنگجوؤں کو بلہ شیری دینے اور بہادری وشجاعت دکھانے میں عورتوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ہند بنت عتبہ لشکر میں موجود دوسری عورتوں کے ساتھ میدان میں آئی، عورتیں دف بجا رہی تھیں اور ہند بنت عتبہ اشعار پڑھ کر جوانوں کو جنگ پر ابھارنے لگی۔ ان شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

''افسوس ہے بنوعبد الدار پر اور افسوس تم پر اے گھروں کے رکھوالو! تم تیز کاٹنے والی تلواروں سے دشمن کو ضرب لگاؤ۔''

اس نے مزید کہا:

''اگر تم آگے بڑھتے رہو تو ہم تمھیں گلے لگالیں گی اور تمھارے لیے تکیے لگا رکھیں گی اور اگر تم لوگوں نے پیٹھ دکھائی تو ہم تم سے ایسی دور ہو جائیں گی کہ پھر کبھی نہیں مل سکو گے۔''[1]

اس غزوے میں طلحہ قتل ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم رسید کیا تھا۔ اسکے تین بیٹے بھی اپنے انجام کو پہنچے: مسافع بن طلحہ، جلاس بن طلحہ اور حارث بن طلحہ۔[2]

عثمان اپنے والد اور تین بھائیوں کی ہلاکت کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ہر سازش میں شریک ہوتا اور اس انتظار میں تھا کہ کب محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کوئی معرکہ پیش آتا ہے جس میں وہ اپنے باپ اور بھائیوں کا بدلہ اور انتقام لے سکے۔

دن بڑی سست رفتاری اور بوجھل پن کے ساتھ گزر رہے تھے اور ہر لمحہ اس کے دل میں بدلے کی آگ اور تیز ہوتی جا رہی تھی۔

ایک دن دارالندوہ میں غیر معمولی چہل پہل محسوس ہوئی، مکہ میں غیر مانوس گھوڑے آئے ہوئے تھے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 12/3، [2] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 1034/3.

کیا ہو سکتا ہے؟

لوگ دار الندوہ کی طرف کیوں بھاگے چلے جا رہے ہیں؟

عثمان بھی گئے کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ پتا چلا کہ یہود یثرب کا ایک وفد آیا ہے جس میں:

سلام بن ابی الحقیق نضری

حُیی بن اخطب نضری

کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نضری اور ہوذہ بن قیس وائلی موجود تھے۔

ان کے علاوہ بنو نضیر اور بنو وائل کے کچھ سرکردہ افراد بھی آئے ہوئے تھے۔ ان کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ قریش اور یہودی مل کر محمد (ﷺ) کے خلاف ایک بہت بڑا لشکر تیار کریں۔ یہودیوں نے اپنے ناپاک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے قریشیوں سے کہا:

''ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ ہیں جب تک محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو جڑ سے نہیں اکھاڑ دیتے۔'' [1]

عثمان بن طلحہ نے محسوس کیا کہ اب اس کا انتظار ختم ہونے والا ہے اور وہ موقع اب قریب ہے کہ وہ اپنے والد اور بھائیوں کا بدلہ لے سکے گا۔

ابوسفیان نے یہودی وفد سے پوچھا:

''تم پہلے سے اہل کتاب ہو اور محمد (ﷺ) اور ہمارے درمیان جو اختلافات چل رہے ہیں انھیں بھی خوب سمجھتے ہو۔ کیا خیال ہے تمھارا؟ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (ﷺ) کا؟''

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 229/3، والبداية والنهاية: 107/4.

یہودیوں نے کہا: ''ظاہر بات ہے آپ کا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور تم حق کے زیادہ قریب ہو۔''

یہودیوں کا یہ جواب سن کر عثمان بن طلحہ اتنا خوش ہوا کہ قریب تھا کہ خوشی سے چیخ اٹھتا اور اپنا وقار کھو بیٹھتا۔ دوسرے قریشی بھی بہت خوش ہوئے اور وہ ایک نئے عزم سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ انھی یہودیوں کے بارے میں، جو قریشیوں کے پاس آئے، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۤىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا! (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں؟ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''[1]

دوسرے احزاب کے ساتھ قریشی لشکر بھی مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑا۔ قریشی جماعت کے ساتھ عثمان بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی چالوں کو ناکام کر دیا اور وہ سب نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔

عثمان کو اس بار پہلے سے بھی زیادہ تعجب ہوا کہ اس مرتبہ پھر ہمیں شکست ہوئی اور ہم دھتکار دیے گئے؟ ہمیں کون بار بار شکست سے دوچار کر رہا ہے؟ محمدی لشکر نے تو

[1] النسآء 4:51، 52۔

ہمیں شکست نہیں دی، ان کی تو تلواریں بھی ہم تک نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود ہم پیٹھ دکھا کر اور دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے؟

کیا محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟

کیا ابھی بھی اس میں کوئی شک ہے؟

تو کیا میں اپنے اسلام کا اعلان کردوں؟ نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ اور جب خیالات کی لہر اس حد تک پہنچ گئی تو گویا پردۂ غیب سے یہ آیات پڑھی جارہی تھیں:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ○ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ○ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○ ﴾

”اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پاسکے اور (اس) لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہوگیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ تم ان (بنوقریظہ) کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث بنا دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے۔“ [1]

[1] الأحزاب 33:25-27.

عثمان بن طلحہ، عمرو بن عاص کے پاس اپنے خیالات کے اظہار کے لیے گیا لیکن اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا۔

عمرو بن عاص نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد (ﷺ) کی تحریک انقلابی صورت اختیار کر چکی ہے، میرے دل میں ایک سوچ آئی ہے، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

''وہ کیا ہے؟'' قریشی سرداروں نے وضاحت پوچھی۔

عمرو: میرا مشورہ ہے کہ ہم نجاشی کے پاس چلے جاتے ہیں، ہم اس کے ہاں رہیں۔ اگر محمد ﷺ اپنی قوم پر غالب آگئے تو ہم نجاشی کی حکومت میں ہوں گے۔ محمد ﷺ کی غلامی میں رہنے سے بہتر ہے کہ ہم نجاشی کی حکومت کے تحت میں ہوں اور اگر ہماری قوم غالب آئی تو ہم معزز طبقہ ہیں، ان سے ہمیں خیر ہی ملے گی۔

انھوں نے کہا: مشورہ تو واقعی اچھا ہے۔

عثمان نے کہا: نجاشی کے لیے تحفے تحائف تیار کرو ہماری سرزمین کے چمڑے اسے بہت پسند ہیں، چنانچہ ہم نے بہت سارا چمڑا جمع کیا اور اس کے پاس جا پہنچے۔

عمرو کہتے ہیں: ہم نجاشی کے پاس ہی تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ آئے، انھیں رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے معاملے کے لیے نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔

کہتے ہیں: وہ نجاشی کے پاس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا: یہ عمرو بن امیہ ضمری ہے۔ اگر میں نجاشی کے پاس جاؤں اور اس سے عمرو بن امیہ مانگ لوں، پھر وہ مجھے دے دے اور میں عمرو کو قتل کر دوں تو یقیناً ہمارے

قریشی سردار خوش ہوں گے اور سمجھیں گے کہ واقعی محمد (ﷺ) کے قاصد کو قتل کر کے میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔''

انھوں نے کہا: ہاں، یہ ٹھیک ہے۔

عمرو کہتے ہیں: میں نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے پہلے کی طرح جھکا۔ نجاشی نے مجھے مرحبا کہا اور پوچھا: اپنے ملک سے ہمارے لیے کوئی تحفہ لائے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! بادشاہ سلامت! میں آپ کی خدمت کے لیے بہت سارا چمڑا لایا ہوں، میں نے وہ تحائف پیش کیے تو اسے بہت پسند آئے۔

میں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا: بادشاہ سلامت! ابھی میں نے آپ کے دربار سے ایک آدمی کو نکلتے ہوئے دیکھا ہے، وہ ہمارے دشمن کا آدمی ہے۔ یہ آدمی آپ میرے حوالے کر دیں، میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے اس دشمن نے ہمارے سرکردہ لوگوں کو قتل کیا ہے۔

نجاشی اچانک غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے اتنی زور سے میری ناک پر طمانچہ رسید کیا کہ مجھے یقین ہونے لگا کہ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ نجاشی سے میں اتنا خوف زدہ ہوا کہ اگر زمین شق ہو جاتی تو میں اس میں گھس جاتا، میں نے کہا:

حضور! واللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تو میں ہرگز جرأت نہ کرتا۔''

نجاشی نے کہا: کیا تم مجھ سے اس آدمی کے قاصد کو قتل کرنے کی اجازت مانگ رہے ہو جس پر وہی ناموس کبیر نازل ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا؟

میں نے کہا: کیا واقعی ایسا ہی ہے؟

نجاشی: اے عمرو! تجھ پر افسوس ہے! میری مان اور اس نبی کی اطاعت قبول کر لے۔

اللہ کی قسم! وہ حق پر ہے اور یقیناً وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آئے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے۔

میں نے کہا: کیا آپ اسلام پر میری بیعت قبول کرتے ہیں؟

نجاشی نے کہا: ہاں، اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اس کی بیعت کر لی اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا، میرے خیالات بدل چکے تھے، میں نے ساتھیوں سے اپنا اسلام چھپا لیا۔[1]

یہ لوگ ناکام ہوکر واپس مکہ لوٹ گئے۔ عمرو اور اس کے ساتھی جب حبشہ میں مناسب مقام و مرتبہ نہ پا سکے تو انھیں بھی واپس جانا پڑا۔

کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ مکہ کے تین آدمیوں نے اتفاق رائے سے طے کیا کہ وہ یثرب جائیں گے۔ وہ تین افراد یہ تھے: عمرو بن العاص، خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ۔

عمرو بن العاص نے خالد سے کہا: ابوسلیمان کہاں کا ارادہ ہے؟

خالد: واللہ! اب معاملہ بالکل واضح ہوگیا ہے، وہ آدمی (محمد ﷺ) واقعی نبی ہے، میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں۔ آخر کب تک (ہم حق کا انکار کرتے رہیں گے)؟

عمرو: واللہ! ہم بھی مسلمان ہونے کی غرض سے جمع ہوئے ہیں۔

یہ تینوں مدینۃ الرسول کا قصد کرتے ہوئے روانہ ہوئے اور نبی ﷺ سے جا ملے۔ نبی ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھاری طرف پھینک دیے ہیں۔''[2]

[1] الکامل لابن الأثیر: 231/2۔ [2] السیرۃ لابن ہشام: 320/3۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

پھر عمرو آگے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میرے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور میں اپنی گزشتہ زندگی کو بھول جاؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمرو! تم بیعت کرو اسلام قبول کرنے سے گزشتہ سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ہجرت کرنے سے بھی پچھلے گناہ جاتے رہتے ہیں۔''

انھوں نے بیعت کرلی اور پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے بعد عثمان بن طلحہ نے اسلام کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرلی۔ [1]

کیا یہ تینوں اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں رہے؟

انھیں کون سے امور سونپے گئے؟

اس مرحلے میں عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا کردار رہا؟

سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقل ڈٹے رہے یہاں تک کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی اور سرکشی پر اتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے غور و فکر کرنا شروع کردیا۔

اس مقصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ دس ہزار جان نثاروں کا لشکر لے کر سوئے مکہ روانہ ہوئے، تاہم بغیر کسی جدال و قتال کے مکہ فتح ہوگیا سوائے آس پاس کے چند ایک معرکوں کے۔

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے اور لوگ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 3/320، ومسند أحمد: 4/198.

مطمئن ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ بیت اللہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر بیٹھ کر طواف کعبہ کیا، آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ ﷺ نے اس کے ذریعے سے حجر اسود کا استلام بھی کیا۔ جب طواف مکمل ہوا تو آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان سے کعبہ کی چابیاں لیں، باب بیت اللہ کھولا گیا اور رسول اللہ ﷺ اندر داخل ہوئے۔ آپ نے لکڑی کا ایک پرندہ دیکھا، اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے توڑا، پھر آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے، لوگ بھی جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اپنے بندے کی مدد کی ہے اور اس اکیلے نے بہت سے لشکروں کو شکست دی ہے۔ خبردار! کسی بھی موروثی خوبی، عہدے، خون یا مال کا دعویٰ اب میرے ان قدموں تلے ہے سوائے سدانہ اور سقایہ کے۔ خبردار! وہ قتل خطا جو شبہ عمد ہو، یعنی جس میں نیزے اور عصا کے ساتھ مارا گیا ہو اس کی دیت مغلظہ ہوگی۔ سو اونٹوں میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔''
اے قریش کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے تمھاری جاہلیت کی نخوت کو ختم کر دیا ہے۔ آباو اجداد پر فخر بھی کالعدم ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھ سکیں اور آپ ﷺ کے جان نثاروں میں شامل ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اس لیے لوٹ آئے تاکہ اللہ کی حرمتوں کا دفاع کریں اور دنیا کے کونے کونے میں دعوت توحید پہنچا دیں۔

سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مدینہ ہی میں رہے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے مکہ میں رہنا پسند کیا۔42ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں مکہ ہی میں وفات پائی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ معرکۂ اجنادین میں شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں وسیع رحمتوں میں داخل کرے اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانا بنائے، آمین!!



رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھ سکیں اور آپ ﷺ کے جان نثاروں میں شامل ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اس لیے لوٹ آئے تاکہ اللہ کی حرمتوں کا دفاع کریں اور دنیا کے کونے کونے میں دعوت توحید پہنچا دیں۔

سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مدینہ ہی میں رہے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے مکہ میں رہنا پسند کیا۔ 42ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں مکہ ہی میں وفات پائی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ معرکۂ اجنادین میں شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں وسیع رحمتوں میں داخل کرے اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانا بنائے، آمین!!



نزولِ آیات کے اسباب

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آپ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ فتح مکہ کے دن عثمان نے بیت اللہ کا دروازہ بند کیا اور چھت پر چڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مفتاح کعبہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ چابیاں تو عثمان کے پاس ہیں۔ نبی ﷺ نے مطالبہ کیا تو عثمان نے انکار کردیا اور کہا: اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو یہ چابیاں میں آپ کو دے دیتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ مروڑ کر چابیاں چھین لیں اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیں۔ دروازہ کھولا گیا اور رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر دو رکعت نفل ادا کیے۔

جب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کلید برداری کا عہدہ مانگا۔ سقایہ کا عہدہ بھی انھی کے پاس تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ چابیاں عثمان بن طلحہ کو واپس کردیں اور ان سے معذرت کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ عثمان نے ان سے کہا: "علی! پہلے تو آپ نے مجھے مجبور کیا اور تکلیف بھی پہنچائی لیکن اچانک یوں نرم ہوگئے ہیں؟"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں آیت نازل فرمائی ہے، پھر انھوں نے آیت پڑھ کر سنائی، عثمان نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' اس کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ [1]

جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: ''جب تک بیت اللہ ہے کلید برداری کا عہدہ آل عثمان ہی میں رہے گا۔'' آج بھی یہ منصب آل عثمان ہی کے پاس ہے۔

امام مجاہد اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۝﴾

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے کعبہ کی چابیاں اپنے پاس رکھ لی تھیں، آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور جب باہر آئے تو آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھیں کلید کعبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے بنو عثمان! یہ چابیاں اپنے پاس رکھو اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے، یہ چابیاں تم سے کوئی ظالم ہی چھینے گا۔''

شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے کعبہ کی چابیاں میرے اور میرے والد صاحب کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

''اے بنو ابوطلحہ! یہ چابیاں تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھو۔ جو تم سے یہ چابیاں چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔'' [2]

بنو طلحہ جو کلید بردار ہیں وہ بنو عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔

---

[1] الإصابة: 452/2. [2] البداية والنهاية: 335/4.



ضمیمہ

انسان کو اپنی مختصر زندگی میں بے شمار واجبات اور فرائض سر انجام دینے ہوتے ہیں۔ ان واجبات میں سے امانت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

امانتوں میں سب سے بڑی امانت جسے امانت کبریٰ کہہ سکتے ہیں، جس کے ساتھ انسانی فطرت وابستہ ہے اور جسے اٹھانے سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور ڈر گئے تھے لیکن انسان نے وہ ذمہ داری قبول کر لی۔ وہ (امانت) ہدایت، معرفت اور مکمل قصد وارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی امانت ہے۔

وہ تمام امانتیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ادا کرنے کا حکم دیا ہے سب کی سب اسی امانت کبریٰ کے ضمن میں آتی ہیں۔

دین کی گواہی دینا بھی ایک امانت ہے۔ ایک مسلمان سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس کی سیرت و کردار اسلام کی گواہی دے۔ تاکہ لوگ اس کے اندر ایمان کی اصلی صورت دیکھیں اور دیکھ کر کہنے پر مجبور ہو جائیں:

”یہ دین کتنا اچھا، خوب اور پاکیزہ ہے!“

سچی گواہی دے اور جھوٹ کبھی نہ بولے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○ ﴾

’’یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی ہیں۔‘‘[1]

اور یہ وہی سچ ہے جس کے بارے میں قیامت والے دن پوچھا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ۚ ﴾

’’تاکہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق پوچھے۔‘‘[2]

اس کے کردار اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملات کے بارے میں گواہی طلب کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ○ ﴾

’’اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔‘‘[3]

جس معاشرے میں رہتا تھا اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ کیا لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ اپنے معاشرے کو رذائل سے پاک کیا تھا؟ اور اپنی اولاد کی اعلیٰ اخلاقی تربیت کی تھی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘[4]

---

[1] البقرة 2:177. [2] الأحزاب 33:8. [3] الفرقان 25:63. [4] آل عمران 3:110.

امانتوں میں سے ایک امانت وہ ہے جو عرف عام میں مشہور ہے، یعنی لوگوں کی وہ اشیا واپس کرنا جو انھوں نے کچھ عرصے کے لیے آپ کے پاس رکھیں۔ اسی طرح یہ بھی امانت ہے کہ حکمران اپنی رعایا کا خیال رکھے اور گھر کا سربراہ اپنے بچوں کی عمدہ تربیت کرے۔

انتہائی افسوس کا عالم ہے کہ اس دور میں بھی بہت سے مسلمان گھرانوں میں ایسے ہیں جن کے بچے دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں۔ ہمارے عقائد اور ہمارے شہروں میں ایسی عجیب وغریب افکار جنم لے رہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری نسل نو برائی کو برائی نہیں گردانتی اور نہ حرام سے کوئی اجتناب ہوتا ہے۔

یہ بھی امانت ہے کہ مسلمانوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ ایک اسلامی معاشرے میں عزتوں کی پامالی اور فحاشی کی نشر و اشاعت کی قطعاً اجازت نہیں دینی چاہیے۔ مسلمانوں کے مال کو چوری ہونے، سودی کاروبار میں استعمال ہونے اور ناجائز اشیاء کے حصول کے لیے استعمال ہونے سے بچایا جائے۔

امانت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ دشمن کی سازشوں سے اسے پاک کیا جائے۔ اسی طرح حملہ آوروں کے حملے کا دفاع کیا جائے۔

اے اللہ! امتِ مسلمہ کب ان امانتوں کی پاسداری کرے گی؟

آٹھویں آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ○ ﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے، اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں آراستہ پیراستہ کر دیا ہے، اور اس نے تمھارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔“[1]



[1] الحجرات 49:6-7.



آیت کی شانِ نزول

اس آیت کے بارے میں امام طبری، امام قرطبی اور امام جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن عقبہ بن أبی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام ابن ہشام کا بھی یہی خیال ہے۔ اور امام واحدی نے بھی یہی خیال ظاہر فرمایا ہے۔ دیکھیے:

تفسير الطبري: 78/26.

تفسير القرطبي: 311/16.

الدر المنثور: 87/6.

السيرة النبوية لابن هشام:3/309,308.

آیئے! ولید بن عقبہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ کون تھے؟



ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور شہسوار، دانا اور گھاگ سرداروں اور جنگی معلومات سے بھرپور فوج کے زبردست سپہ سالار تھے۔ عرب کے ان لیڈروں میں سے ایک تھے جو معاملات کی تہ تک پہنچ کر پختہ رائے قائم کرنے والے اور اہم سیاسی مسائل کے بارے میں آگاہی دینے والے تھے۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اس وقت مسلمان ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مجاہدوں کا بڑا لشکر لے کر کفر کے گڑھ مکہ پہنچے، مکہ کے مسلمانوں پر زمین ہر طرف سے تنگ کر دی گئی تھی۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا والد عقبہ بن اَبی معیط بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا جو دعوت دین میں رکاوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زبان اور اپنے کردار کے ذریعے اذیت پہنچانے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اس کی ڈھیلی رسی کھینچی تو یوں ہوا کہ عقبہ بن ابی معیط غزوہ بدر میں قید ہو گیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تا کہ یہ بھی انھی لوگوں کے ساتھ واصل جہنم ہو جائے جن کے ساتھ مل کر یہ سازشیں کرتا، اذیت پہنچاتا،

مسلمانوں کو ان کے گھر اور دیار سے نکلنے پر مجبور کرتا رہا اور ان کے اموال اور جائیدادیں ہڑپ کرتا رہا۔

عقبہ بن ابی معیط کہنے لگا: اے محمد ﷺ! کیا قریش میں سے صرف مجھے قتل کیا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! کیونکہ تو رومیوں کی یہودی نسل سے ہے۔''[1]

پھر نبی مکرم، رحمۃ للعالمین، سید الانبیاء ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ یہ بھیڑ کی اوجھ لایا اور جب میں مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہا تھا، اس نے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیا اور اتنا دبایا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میری آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ یہ ایک دفعہ پھر بھیڑ کی اوجھ لایا اور جب میں مسجد میں گیا اس نے وہ اوجھ میرے سر پر رکھ دی۔ میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو پتہ چلا، وہ آئی، اس نے میری کمر اور سر سے اوجھ کو ہٹایا اور میرا سر دھویا۔''

یہ عقبہ کا گھناؤنا کردار تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ اس کا سفاکانہ سلوک شمار سے باہر ہے۔ اب اسے اس کے کیے کی اللہ کے حکم کے مطابق سزا مل گئی۔ اسے باندھ کر قتل کر دیا گیا۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ماں اروی بنت کریز بن ربیعہ ہے۔ یہ خاتون سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث و صابر کی والدہ بھی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی نرم دل تھے، وہ السابقون الاولون میں شامل ہیں۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے کتراتے

[1] المعارف لابن قتیبہ، ص: 319,318.

رہے جبکہ ان کے بھائی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہر موڑ پر اسلام اور مسلمانوں کے مددگار کے طور پر سامنے آئے۔ ان کا یہی کارنامہ ان کی فضیلت و منقبت کے لیے کافی ہے کہ انھوں نے ''جیش العسرہ'' کو غزوۂ تبوک کے موقع پر ساز و سامان سے لیس کیا۔ ان کے اس کارنامے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا: ''اے عثمان! آج کے بعد تو کوئی عمل نہ کرے تب بھی تجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''[1]

مگر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ (قبول اسلام سے پہلے) دعوتِ دین میں رکاوٹ ڈالنے والے اور لوگوں کو اس دین سے روکنے والے تھے۔

ان کی بہن ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، اچھی مسلمان ثابت ہوئیں اور اپنے دین کو بچانے کے لیے مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی۔

سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے پیدل ہجرت کر کے مدینہ جانے والی خاتون ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں اور انھی کے بارے میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ﴾

''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔''[2]

---

[1] جامع الترمذي، حديث:3701، ودلائل النبوة للبيهقي:22/5. [2] الممتحنه 10:60.

جب ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن کی ہجرت کا پتہ چلا تو انھوں نے قسم کھائی کہ میں اسے ہر صورت واپس لا کر رہوں گا، چاہے مجھے اس کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ وہ اور اس کا بھائی عمارہ بن عقبہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچے۔ انھوں نے اپنی بہن کو طلب کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کا معاہدہ یاد دلایا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو نرمی سے صرف اتنا فرمایا: ''اللہ نے انھیں واپس کرنے سے منع کر دیا ہے۔''[1]

دونوں مکہ پلٹ آئے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ تک وہیں رہے، پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، رسول اللہ ﷺ کی مکمل تابعداری کی، دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے لگے اور محنت کر کے شریعت الٰہی کو پہچاننے لگے۔

وقت گزرتا رہا۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں بنو مصطلق سے ان کے اموال کی زکاۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف روانہ ہو گئے، جب وہاں پہنچے تو انھوں نے بنو مصطلق کو دیکھا کہ وہ جمع ہیں اور اسلحہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان خطرے میں محسوس کی اور ان کے بارے میں گمان کیا کہ وہ غلط ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''بنو مصطلق نے اپنے اموال کی زکاۃ روک لی ہے اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔''

یہ بات مسلمانوں میں پھیل گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تیاری کا حکم موصول ہوا۔ وہ سب جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گھڑ سواروں کے دستے کے ساتھ حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

---

[1] الطبقات لابن سعد: 231/8.

جب خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو وہ لوگ اسلام پر قائم تھے۔ اور ولید کی بات میں کوئی صداقت نہ تھی۔ خالد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ وہ لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل کے انتظار میں تھے، اس لیے سب جمع ہوکر باہر نکلے، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اس طرح اکٹھے دیکھا تو ڈر گئے اور پلٹ کر چلے گئے۔

تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔''[1]

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کے بعد غزوات میں شریک ہوئے یا نہیں ہوئے، انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کتنی جنگوں میں شمولیت کی؟ اس بارے میں تاریخ بالکل کچھ نہیں بتاتی، حتی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عراق کے معرکوں میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب مسلمانوں نے ''معرکہ ندا'' میں فتح حاصل کی تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ مال غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ آئے۔[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے دومۃ الجندل روانہ کیا۔ ولید رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ دشمن کے نرغے میں آچکے ہیں۔

[1] الحجرات 49:6. [2] تاریخ الطبري: 277/2.

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بعض اوقات درست فیصلہ یا درست رائے بڑے لشکر سے بھی بہتر ہوتی ہے۔ آپ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف مدد کے لیے بندہ روانہ کریں۔'' عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ [1]

دومۃ الجندل جب زیر ہو گیا تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر مدینہ منورہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ نے انھیں بنو قضاعہ کے صدقات جمع کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو جابیہ میں رہیں، چاہیں تو جہاد میں شامل ہو کر غازی بنیں۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کو پسند کیا اور عراق چلے گئے حتی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کا قلمدان سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا تو انھوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ''الجزیرہ'' کا والی بنا دیں۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ آپ کے اور اہل جزیرہ کے درمیان اختلاف پھوٹنے لگے۔

اہل جزیرہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ان سے اسلام کے علاوہ کچھ قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ جب آپ نے سختی کی تو وہ ہرقل کی طرف بھاگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرقل کو خط لکھا کہ انھیں واپس بھیجو۔

اہل جزیرہ اپنا وفد لے کر مدینہ آئے، خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے اور اپنا معاملہ بیان کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تاکہ اہل جزیرہ اطمینان

[1] تاريخ الطبري: 2/578.

اور امن وسکون سے اپنے گھروں میں رہ سکیں۔[1]

اس کے بعد خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں آپ کسی بھی اجتماعی معاملے میں شریک نہ ہوئے۔ حتی کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا امیر بنا دیا۔

آپ کوفہ ہی میں تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خط ملا۔

''حمد وثنا کے بعد! معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے مجھے لکھا ہے کہ رومی بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھ دوڑے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اہلِ کوفہ اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ جب میرا خط آپ کو ملے آپ کسی ایک شخص کی کمان میں، جس کی دلیری اور اسلام آپ کو پسند ہو، آٹھ دس ہزار کا لشکر تیار کر کے روانہ کر دیں۔ والسلام۔''

ولید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، حمد وثنا بیان کی اور کہا:

''اما بعد! اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی عزت دی ہے۔ کئی مرتد علاقے واپس مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے کئی ایسے علاقے فتح کرائے جو پہلے مفتوح نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مالِ غنیمت سے نوازا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ آج امیر المومنین کا مکتوبِ گرامی ملا، انھوں نے تمھیں ان بھائیوں کی مدد کے لیے شام میں آٹھ دس ہزار کے لشکر کی صورت میں جانے کی دعوت دی ہے، وہاں روم نے جنگ مسلط کی ہے۔ اے اہل کوفہ! تم سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بڑا اجر اور فضیلت پانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

آٹھ ہزار کا لشکر جرار تیار ہو کر تیسرے دن روانہ ہوا اور شام جا پہنچا۔ یہ لشکر اپنے

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 206/2.

مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جنگ کے شعلوں میں کود پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عظیم سے نوازا اور ان کی بھرپور مدد فرمائی۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ قریش کے لوگوں میں سے بڑے ظرف والے، حلیم، بہادر، شاعر اور صاحب اخلاق و مروت انسان تھے۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے قریب رقہ مقام پر ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔[1]

اللہ انھیں اپنی جوارِ رحمت میں رکھے اور ان کے گناہوں اور کمزوریوں سے صرف نظر فرمائے (آمین)



[1] الاستیعاب: 3/1557، وأسد الغابة: 5/91.

آیت کا سببِ نزول

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنو مصطلق سے صدقات وصول کرنے بھیجا تھا۔ ان کے اور بنو مصطلق کے مابین زمانۂ جاہلیت میں دشمنی تھی۔ جب بنو مصطلق والوں نے ان کا نام سنا تو وہ سب اکٹھے ہو کر ان کی تعظیم کے لیے نکلے۔ انھیں گمان گزرا کہ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئے۔ اور بتایا کہ بنو مصطلق زکاۃ نہیں دیتے اور انھوں نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا ہے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ جب بنو مصطلق کو پتہ چلا تو وہ مدینہ آئے اور بولے: ''ہم نے آپ کے نمائندے کے آنے کے بارے میں سنا ہے۔ ہم اس کے استقبال اور تکریم کے لیے نکلے تو سنا کہ وہ راستے ہی سے پلٹ گئے، ہمیں ڈر لگا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی خط انھیں واپسی کا ملا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ناراض ہیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے پناہ چاہتے ہیں۔'' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا
قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ
اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ
وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ
هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے، اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں آراستہ پیراستہ کر دیا ہے، اور اس نے تمھارے لیے کفر وفسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔“[1]



[1] الحجرات 49:6-7. تفسیر طبری، و تفسیر القرطبی، تفسیر آیت مذکورہ.



اسباق و فوائد

مذہبِ اسلام کے تناظر میں حکومت کرنے والا اپنی رعایا کے حقوق کا ذمہ دار اور ان کا خادم ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کا نفاذ کرے۔ امن عامہ مستحکم کرے، چوروں اور لیٹروں سے اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ خوراک کا بندوبست کرے، قحط سے بچائے۔ رعایا کو پُر سکون رہائش مہیا کرے تا کہ وہ غریب الوطنی کا شکار نہ ہوں، چادر اور چار دیواری کی حفاظت کا بھرپور اہتمام کرے تا کہ کوئی جاسوس یا چور اُچکا چار دیواری کو پھلانگ نہ سکے۔

حاکم وقت اسلام کی رو سے اپنی رعیت کا امام ہوتا ہے، وہ رمضان کے روزے رکھتا ہے، معاشرے میں اس مہینے کی حرمت کا خیال رکھتا ہے، خود زکاۃ ادا کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔

اسلام میں حاکم کی یہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اس کا عوام کے مقابلے میں کوئی اضافی حق نہیں ہوتا۔ وہ ایسا فرد ہوتا ہے جو عوام کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی ادا کرے۔

حکومت کی امانت کے بوجھ اور ذمہ داری کے تحت حاکم پر لازم آتا ہے کہ شریعت

کے مطابق چلے، اس پر تنقید ہو سکتی ہے، اس سے پوچھ گچھ کی جا سکتی ہے اور اس کے کیے گئے کاموں، کمیوں اور کوتاہیوں کی تفتیش ہو سکتی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھتے ہیں:

''اسلام علیکم! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ کے جانوروں کے ریوڑ بہت بڑھ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تو آپ کے پاس اتنا مال نہیں تھا۔ آپ نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا؟ سب کچھ لکھیے، کچھ مت چھپائیے؟''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے امیر المومنین! ہماری زمینیں زرعی اور نفع بخش ہیں۔ ہم اپنے خرچ سے بچت بھی کرتے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پھر لکھا: ''میں نے گورنروں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ تمھارا جواب برحق پکڑے جانے والے مضطرب شخص کے جواب کی طرح ہے۔ میں تمھارے بارے میں بدگمان ہو گیا۔ میں نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تمھارے پاس بھیجا ہے، تم اپنا آدھا مال اس کے حوالے کر دو۔

اے امراء کی جماعت! تم خزانے کے چشموں پر بیٹھتے ہو، تمھیں کسی کا کوئی خوف نہیں، اپنی اولاد کے لیے جمع کرتے ہو اور اپنے آپ کو طاقت ور بناتے ہو۔

خبردار! تم شرمندگیاں اکٹھی کر رہے ہو اور آگ کے وارث بن رہے ہو۔''

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس وقت وزیر مملکت کی طرح تھے، خلیفۃ المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رعایا کے حالات کی خوب خبر رکھتے تھے اور اپنے گورنروں کے احوال کا ناقدانہ جائزہ لیتے رہتے تھے۔ اور اپنے عمال کا محاسبہ بھی کرتے تھے۔ اگر رعایا گورنروں سے تنگ ہوتی اور عمال اپنی حد سے تجاوز کرتے، اسلامی قواعد کے زُمرے سے نکلنے کی

کوشش کرتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں معزول کر دیتے تھے۔

گورنر یا عمال کی تنخواہ محدود ہوتی تھی۔ شریعت اسلامی کا نفاذ، لوگوں کو دینی معاملات سمجھانے، عدل و انصاف کا بول بالا کرنے اور کمزوروں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالنے جیسے بڑے بڑے معاملات ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ دیا: ''اے لوگو! اللہ کی قسم میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ تمھیں خوشخبریاں دیں اور تمھارے مال بٹوریں۔ بلکہ اس لیے کہ وہ تمھیں دین اسلام کی تعلیم دیں، سنت سے روشناس کرائیں۔ اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ کرے تو مجھے بتاؤ میں تمھیں ضرور قصاص دلواؤں گا۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اے امیر المومنین! اگر کوئی عامل اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھاتے ہوئے اسے سزا دے تو کیا اس صورت میں بھی آپ قصاص دلوائیں گے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! پھر بھی میں اس سے قصاص دلواؤں گا۔ میں کیسے بدلہ نہ دلواؤں؟ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے حوالے سے قصاص دلواتے ہوئے دیکھا ہے۔

خبردار! لوگوں کو خواہ مخواہ سزا نہ دو، وہ گھٹیا زندگی گزارنے لگیں گے، لوگوں پر زیادہ سختی نہ کرو، وہ مصیبت میں پڑے رہیں گے، اور لوگوں کا حق ان سے نہ روکو، ورنہ وہ کفر کریں گے۔''

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ کے نگران تھے۔

ولید رضی اللہ عنہ کا ماضی جہاد، دفاع، لشکروں کی تیاری اور اللہ کے دین کو زمین پر پھیلانے

میں گزرا۔ لیکن بعد میں ان کے بارے میں جو کچھ مشہور ہوا اور دعویٰ دائر ہوا تو انھیں معزول کر دیا گیا۔ ان سے تمام اختیارات چھین لیے گئے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان پر اسی طرح حد قائم کی گئی جس طرح عام آدمی پر حد قائم ہوتی تھی۔

یہ ہے اسلام کی عدالت کا انصاف۔ تاریخ اس پر فخر کرتی ہے۔ وہ معاشرہ انصاف اور محبت پر مبنی تھا۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جس میں حاکمیت اللہ وحدہ لا شریک کی ہوتی تھی۔ اور اللہ کی نافرمانی میں حاکم کی اطاعت نہیں کی جاتی تھی۔ انسان صرف تقویٰ بزرگی اور نیکی کی وجہ سے فضیلت والا ہوتا تھا۔ یہ ایسا معاشرہ تھا جس میں انسان کی آبرو محفوظ تھی۔ انسان معمولی ضرورت کے لیے خود کو ذلیل و رسوا نہیں کرتا تھا، ظلم و زیادتی پر راضی نہیں رہتا تھا، نہ انسان خالی خولی عدد تھا جو صرف شمار کے کام آئے، نہ وہ مشینری تھا جسے یہ پتا ہی نہ ہو کہ وہ کب کام ختم کرے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا تھا تو یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس وقت معزول کیا تھا جب وہ اسلام کی خوب تبلیغ کر رہے تھے اور ظالم رومیوں کو انھی کی سرزمین پر تاخت و تاراج کر رہے تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا اور ان کے پاس موجود مال تقسیم کر دیا۔

ان کے لیے یہ سفارش نہیں کی گئی کہ وہ ''سیف اللہ'' کے لقب سے ملقب ہیں، نہ یہ حقیقت ان کی برطرفی روک سکی کہ وہ ایسے کمانڈر تھے جو کبھی جنگ میں نہیں ہارے، ان کے لیے وہ معاملہ ہی باقی نہ رکھا گیا جس میں انھوں نے تجاوز کیا۔

اسلامی تاریخ میں یہ عدل و انصاف سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما تک ہی محدود نہ تھا

بلکہ یہ تو ایک سیلِ رواں تھا جس نے زمین کو خیر و بھلائی سے بھر دیا اور مسلمانوں کے تمام علاقوں میں یہی معاملہ تھا، کیونکہ وہاں شریعت کا نفاذ تھا۔ انھی واقعات میں سے ایک واقعہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں پیش آیا۔ انھوں نے ولایت سنبھالتے ہی عراق کے سابق نگران یزید بن أبي مہلب بن ابی صفرہ کو پکڑنے کا حکم جاری کیا۔ کیونکہ انھیں خفیہ ذریعے سے اطلاع ملی تھی کہ اس نے بیت المال سے بہت سا مال جمع کیا ہے۔

جب یزید کو ہتھکڑی پہنا کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے یزید سے اس مال کے بارے میں پوچھا جس کے بارے میں اس نے سلیمان بن عبدالملک کو خط لکھا تھا۔ (سلمان اس وقت فوت ہو چکا تھا)

یزید نے کہا: میں سلمان کے پاس اسی جگہ موجود تھا جس جگہ اب آپ موجود ہیں۔ میں نے سلمان کو اس مال کے متعلق لکھ دیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے، لیکن سلمان نے اس مال کے سلسلے میں مجھ سے کوئی چیز وصول کی اور نہ کوئی سخت حکم جاری کیا۔

خلیفہ گویا ہوئے: ''میں تجھے قید میں ڈالتا ہوں۔ اللہ سے ڈر اور جو کچھ تیرے پاس اسے لوٹا دے۔ یہ لوگوں کے حقوق ہیں۔''

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''میں اس کا سارا مال ضبط کر کے چھوڑوں گا۔''

آج کل کوئی بھی ڈاکو یا لٹیرا جب سب کا مال لوٹ لیتا ہے تو راز کھلنے پر اسے اس کے عہدے سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ یہ چیز دوسروں کو بھی دعوت دیتی ہے کہ آؤ اور اپنے لیڈروں کی طرح تم بھی جس قدر ممکن ہو لوٹ مچا دو۔ اس کا انجام آج ہم سب کے سامنے ہے کہ قوموں کی معیشت ڈوب جاتی ہے اور ڈاکو لیڈر اور ان کے رشتہ دار عیاش بن جاتے ہیں۔

ایسے حادثات مسلم ممالک میں بہت ہوئے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ ہر لیڈر جسے موقع ملتا ہے چھلانگ لگا کر معیشت پر قابض ہو جاتا ہے اور اس وقت چھوڑتا ہے جب خزانہ خالی ہو چکا ہوتا ہے حتی کہ عوام کا نان نفقہ بھی چھن جاتا ہے اور معیشت ڈوب چکی ہوتی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے میں ایسے ظالم حکمران کی سزا قتل ہے۔ ایک دن انھوں نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''میں اپنی اور تمھاری مثال ایسے سمجھتا ہوں جیسے سمندری طوفان میں ایک کشتی چکر کھا رہی ہو۔ اور لوگوں کو کچھ بجھائی نہ دے رہا ہو۔ پس وہ اپنے میں سے ایک شخص کو سرپرست مقرر کریں۔ اگر وہ سرپرست سیدھا رہے تو وہ اس کی پیروی کریں اور اگر وہ ظلم کرے تو وہ اسے قتل کر ڈالیں۔''

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر وہ ٹیڑھا ہو جائے تو لوگ اسے معزول کر دیں؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں، قتل ہی بعد والوں کو زیادہ روکنے والا ہے۔''[1]

آج کل کے ان تنخواہ دار چوروں کو انصاف کے لیے کیوں پیش نہیں کیا جاتا تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کے حقوق کی نگہبانی اور حدود اللہ کی پاسداری کریں۔ کیوں ہم ان عقل کے غلاموں کو عدالتوں میں فیصلوں کے لیے پیش نہیں کرتے جنھوں نے اپنے وطن کے قیمتی قدرتی وسائل دشمن کے ہاتھ بیچ دیے۔

یا پھر ہم ایسے دور میں ہیں جن میں شرفاء اور خیر خواہوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

اس امت کو آج بھی ایک ابن خطاب کی شدید ضرورت ہے جو ایسے قائد کو معزول

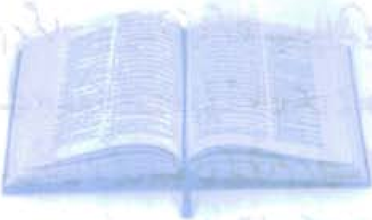
[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 30/3، وتاريخ الطبري: 213/4.

کر دے اور اس کی تقسیم کالعدم قرار دے دے جس کی نصرت و کامیابی کے جھنڈے لہرا رہے ہوں اور وہ کامیابی کے نشے میں چور ہو۔ اور جو وہ زائد سمجھے اس سے چھین لے۔

اس امت کو آج ایسے عثمان رضی اللہ عنہ کی اشد ضرورت ہے جو صلہ رحمی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے بھائی کو معزول کر دے اور گواہی ملنے پر اسے علی الاعلان سزا بھی دے۔

ایسے انصاف پسند اور انوکھے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی بھی ضرورت ہے جو اپنے گورنروں کو قید میں ڈال دے اور ان سے عوام کی ایک ایک پائی وصول کرے۔

ایسے حکمران ہمیں کب میسر ہوں گے؟ اے رب! کب؟

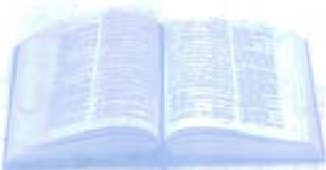


نویں آیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

”اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگور کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے۔ یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسے تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ۔ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے، اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، کہیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔“ [1]



[1] بني إسراء يل 17:90-93.



آیت کی شانِ نزول

اس آیت کے بارے میں اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ دیکھیے:

تفسير البغوي: 149/4.

تفسير الطبري: 11,110/15.

تفسير ابن كثير: 63,62/3.

السيرة النبوية لابن هشام: 315/1.

آیئے! عبداللہ بن امیہ کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ کون تھے؟



عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ

یہ شخص سردارانِ قریش میں سے ایک بہادر، شہ سوارانِ قریش میں سے مشہور شہسوار، دارالندوہ کمیٹی کا رکن، اسلام سے قبل بڑی الجھی گتھیاں سلجھانے والا اور فیصلے کرنے والا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو صدائے لَا اِلٰہ بلند کی اس نے بھی سنی، اس کا اضطراب بڑھا، نیند اچاٹ ہوگئی۔ مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد نے اس کے غصے کو مزید ہوا دی۔ یہ غصے سے لال پیلا ہو کر نبی ﷺ سے مسلمانوں کو دور کرنے کے لیے مسلمانوں پر چڑھ دوڑا۔

اگر کوئی تاجر ہوتا تو یہ اس کی تجارت ختم کرا دیتا۔ اگر کوئی معزز شخص ہوتا تو اسے بے ہودہ اور فحش باتیں سناتا، غلاموں اور نوکروں کو سخت اذیت سے دو چار کرتا، ان کے جسموں کو آگ سے داغتا اور پھر ان پر کوڑے برساتا تھا۔

یہ تھا عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کا کردار اسلام قبول کرنے سے پہلے۔ اور جب ہم ان کا نسب نامہ دیکھتے ہیں تو ان کے والد امیہ بن مغیرہ کو ایسا شخص پاتے ہیں جو کریم و سخی، مال خرچ کرنے والا اور لوگوں کو زادِ راہ دینے والا انسان ہے۔

قریش نے اس کا لقب ہی ''زاد الرکب'' (مسافر کو سفر کا خرچ دینے والا) رکھ دیا۔ کلبی کا گمان ہے کہ مسافروں پر خرچ کرنے والے تین افراد تھے۔ مصعب اور عدوی بھی پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے تھے مگر قریش اور اس کے قبائل میں ''زاد الرکب'' امیہ بن مغیرہ ہی کا لقب تھا۔

اور یہ نام اس لیے پڑا کہ جب بھی کوئی سفر میں اس کے ساتھ ہوتا تھا یہ اس کے سفر کا خرچ اپنے ذمے لے لیتا تھا۔ [1]

عبداللہ بن اُمیہ کی بہن ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، وہ ازواج مطہرات میں سے ہیں اور امہات المومنین میں شامل ہیں۔ [2] وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں، آپ ﷺ کے گھریلو معاملات کے رکھ رکھاؤ میں ان کا اہم کردار ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور آدابِ شریعت سمجھانے میں بھی آپ کا عظیم کردار ہے۔

عبداللہ بن امیہ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ یہی وہ خاتون ہیں جنھوں نے غزوۂ بدر سے پہلے ایک مشہور خواب دیکھا تھا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کا خلاصہ یہ ہے:

انھوں نے ایک رات خواب دیکھا اور اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا اور ڈر گئی۔ مجھے خوف ہے کہ تیری قوم (اہلِ مکہ) پر کوئی نہ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ جو میں تجھ سے بیان کروں تو اسے راز میں رکھنا۔

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الأصحاب: 868/3. [2] الطبقات لابن سعد: 86/8.

عباس رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان تھے مگر اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے، انھوں نے کہا: بتاؤ کیا دیکھا؟

عاتکہ: میں نے ایک اونٹ سوار دیکھا، وہ ابطح کی بلندی پر آ کر ٹھہرا۔ پھر اس نے بلند آواز سے صدا لگائی: ”خبردار! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن میں نکلو۔“

لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے، وہ مسجد میں داخل ہوا، اس نے کعبہ کے پاس پھر یہی اعلان کیا: ”خبردار تین دن میں اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو۔“

پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار آگے چلا، جبل ابی قبیس پر ٹھہرا اور اس نے تیسری بار یہی آواز پھر بلند کی: ”خبردار! لوگو! تین دن میں اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو۔“

پھر اس نے ایک چٹان پکڑی اور نیچے پھینک دی۔ وہ نیچے آتے آتے پاش پاش ہوگئی اور اس کے ٹکڑے مکہ کے ہر گھر میں آ گرے۔

عباس رضی اللہ عنہ: یہ بڑا اہم خواب لگتا ہے، تم اسے چھپانا، کسی کو کچھ نہ بتانا۔ [1]

عباس رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ ملا۔ یہ ان کا دوست تھا، انھوں نے اسے خواب سنا ڈالا۔ ولید نے اپنے باپ عتبہ کو بتا دیا۔ یوں یہ بات پورے مکہ میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ہر مجلس میں اس خواب کا چرچا ہونے لگا۔

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبح کو میں طواف کر رہا تھا، ابوجہل ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔ لوگ اس خواب کے حوالے سے بات کر رہے تھے، ابوجہل نے مجھے دیکھا تو آواز لگائی: اے ابوعبداللہ! طواف سے فراغت پا کر ہماری طرف آنا۔

جب میں طواف سے فارغ ہوا تو میں بھی اس مجلس میں آ بیٹھا، ابوجہل نے مجھ سے کہا: اے بنی عبدالمطلب! یہ تم میں نبیہ کب سے پیدا ہوگئی؟

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 240/2، والروض الأنف: 84/5.

میں نے پوچھا: کیا ہوا؟

ابوجہل: یہ عاتکہ کا خواب کیا ہے؟

میں نے کہا: ''اس نے کیا دیکھا؟''

ابوجہل: اے بنی عبدالمطلب! کیا تم مردوں کے نبی بننے پر راضی نہیں تھے کہ اب عورتیں بھی نبی بننے لگیں؟ عاتکہ نے گمان کیا ہے کہ تین دن میں نکلو! پس ہم تین دن انتظار کریں گے، اگر ایسا ہی ہوا تو ٹھیک، ورنہ ہم ایک تحریر لکھ دیں گے کہ تم عرب کے سب سے جھوٹے لوگ ہو۔ [1]

مجھ سے کوئی بات نہیں بن پا رہی تھی، میں صرف انکار کرتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ اس نے کچھ نہیں دیکھا۔ پھر مجلس ختم ہوگئی۔

جب شام ہوئی تو بنوعبدالمطلب کی تمام خواتین میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ''اس فاسق خبیث نے تمھارے مردوں میں جو بکواس کی، تم سہتے رہے، اب وہ عورتوں کے بارے میں بے ہودہ گوئی کر رہا ہے، تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم برداشت کرتے رہتے ہو اور کوئی جوابی کارروائی نہیں کرتے۔''

میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! اب ضرور کروں گا۔ اب وہ کچھ کہے گا تو میں تمھاری طرف سے پورا بدلہ لوں گا۔ میں اکیلا ہی اس کے لیے کافی ہوں۔''

تیسرے دن صبح میں سخت غصے میں تھا، ایسا لگتا تھا جیسے میری ایسی پسندیدہ چیز کھوگئی جسے میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں شدید غصے میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور ارادہ کیا کہ اس کی طرف چلوں تاکہ وہ پھر کوئی بات کرے اور میں اس کی خبر لوں۔ مگر وہ بڑا تیز طرار، شاطر اور چالاک آدمی تھا۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 245/2، والروض الأنف: 84/5.

وہ مسجد کے دروازے سے باہر نکلنے لگا۔

میں نے دل میں کہا: ''اللہ تجھ پر لعنت کرے!''

مگر اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھا، اونٹ کی ناک کٹی ہوئی تھی، اس نے پالان الٹا کیا ہوا تھا، اپنا گریبان چاک کر رکھا تھا اور چلا رہا تھا:

''اے قریش! اے قریش! اپنا مشک بردار تجارتی قافلہ بچاؤ، تمھارا مال ابوسفیان کی نگرانی میں ہے، اس پر محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ تم پہنچ سکو! مدد! مدد!

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب سچ ثابت ہوا۔

قریش بھرپور تیاری کے ساتھ نکلے۔ وہ جنگ کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو سبق سکھانا چاہتے بلکہ نشانِ عبرت بنانا چاہتے تھے۔

قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا۔ اس کے باوجود ابوجہل نے واپس جانے کی شدید مخالفت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت دینے اور کامیاب و کامران ٹھہرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

عبداللہ بن امیہ شہسوارِ مکہ کا بیٹا، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہے۔ اس کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے۔ یہ عورت صاحب سیرت ہے اور شہسوار کی ماں ہے۔

عبداللہ بن امیہ قریش کا سفیر اور مشرکین مکہ کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کیے، وہ ناکام ہوئے اور انھیں اپنی ہار دکھائی دی، عبداللہ بن امیہ کفر پر ڈٹا رہا، اس نے نہایت درشت اور گھٹیا زبان استعمال

کی اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی اور بغض وعناد میں پہلے سے بھی زیادہ پکا ہو گیا۔

وہ کمزور مسلمانوں پر ظلم وستم کی قریشی مجلس میں شریک ہوتا رہا اور بتوں کے لیے نذر و نیاز سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ توحید سے دور بھاگتا رہا، اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتا رہا حتی کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان بدر و اُحد اور خندق جیسے بڑے بڑے حالات وحوادث پیش آئے۔ اس نے ان موقعوں پر نصرتِ الٰہی کی نشانیوں کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کا دل نرم پڑ گیا مگر اس نے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔

قریش نے جب عہد حدیبیہ کا پاس لحاظ نہ رکھا اور معاہدہ توڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکہ فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، مسلمانوں نے بھرپور تیاری کی اور محمدی لشکر مکہ کے راستے پر چل پڑا۔ عبداللہ بن امیہ کو جب رسول اللہ ﷺ کے مکہ فتح کرنے کے عزم کا پتا چلا تو اس نے سوچا:

کیا فتح مکہ تک مکہ میں رہا جائے؟

یا کہیں اور پناہ ڈھونڈ لی جائے؟

یا اسلحہ اٹھا کر اس کا مقابلہ کیا جائے؟

بھلا اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

محمد ﷺ کی مدد تو آسمان سے فرشتوں کے ذریعے کی جاتی ہے، محمد ﷺ حق پر ہیں۔ اور حق پر باطل کا غالب آنا اب محال لگتا ہے۔

اس نتیجے پر پہنچ کر اسے اطمینان ہوا۔ اس نے بیعت اسلام کا پختہ ارادہ کر لیا۔

عبداللہ بن امیہ اپنی سواری پر سوار مدینہ کی جانب عازم سفر ہے کہ ''سقیا وعرج'' کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں اس کی ملاقات ہوئی کہ ابوسفیان بن حارث

بن عبدالمطلب بھی عبداللہ کے ہمراہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چہرۂ انور موڑ لیا اور کوئی کلام نہ کیا۔ یہ اپنی بہن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اُن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارش کرنے کو کہا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا چچا زاد اور پھوپھی زاد اور برادر نسبتی آپ کی خدمت میں حاضری کا آرزو مند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ چچا زاد نے میری بے عزتی کی تھی اور وہ پھوپھی زاد اور برادر نسبتی وہی ہے جس نے مکہ میں وہ باتیں کہیں جو کسی طرح بھی مناسب نہیں تھیں۔''

جب اس بات کی خبر انھیں پہنچی تو ابو سفیان بن حارث نے کہا، حالانکہ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا: ''اللہ کی قسم! یا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا پھر اپنے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔''[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان بن حارث سے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلے جاؤ اور وہ کہو جو یوسف علیہ السلام سے اس کے بھائیوں نے کہا تھا۔

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝﴾

''اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت عطا کی اور بلاشبہ ہم ہی خطا وار تھے۔''[2]

انھوں نے ایسا ہی کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝﴾

[1] تاريخ الطبري: 50/2، والسيرة لابن هشام: 18/3، والبداية والنهاية: 287/4. [2] يوسف 91:12.

”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھیں معاف فرمائے، وہ ارحم الراحمین ہے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے انھیں گلے سے لگایا اور پھر دونوں مسلمان ہو گئے۔

عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں موجود تھے۔ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے اور شدید تیراندازی ہوئی تو مسلمان میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔ مگر عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ دشمن کے شہسواروں کو پچھاڑتے اور ان کی طرف مسلسل آگے بڑھتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف بڑھے اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے 75 دن محاصرہ جاری رکھا مگر قلعے فتح نہیں ہوئے۔

مسلمانوں نے شدید حملہ کیا تاکہ قلعے کی دیوار میں نقب لگا سکیں اور اس کے ذریعے مسلمان قلعے میں داخل ہو سکیں۔ مسلمان دبابہ میں بیٹھ کر قلعے کی دیوار کے پاس پہنچے تو بنوثقیف نے ان پر لوہے کے گرم گرم ٹکڑے پھینکے، دبابہ جل گیا، مسلمان اس کے نیچے سے نکلے تو ثقیف والوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے بہت سے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے۔

عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی اسی موقع پر شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا لمبا عرصہ اسلام سے نفرت اور بغض و عناد میں گزارا، مگر جب اللہ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو آخری عمر میں ان کے روح و بدن کو کفر و شرک کی گندگی سے صاف کیا، ان کے دل کو دعوتِ اسلام کی قبولیت کے لیے کھول دیا، عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ سے مہاجر کی صورت میں مدینہ چلے گئے، توحید کی

[1] یوسف 92:12.

گواہی دی، اسلام قبول کیا اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ اجل کا بلاوا آیا تو شہداء کی صفِ مبارک میں جگہ ملی، بہت کم رفاقتِ رسول ﷺ میسر آئی۔

یہ کم وقت زمانے کے اعتبار سے ہے مگر میزانِ اسلام اور مسلمانوں کے لیے اتنے لمحات بھی بہت بابرکت ہوتے ہیں۔



اسبابِ نزولِ آیات

چاندنی رات میں چاند چمک رہا ہے۔ دارالندوہ میں قریشی سردار موجود ہیں۔ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث، اسود بن عبدالمطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن امیہ، امیہ بن خلف سب سردار اپنی نشستوں پر براجمان ہیں۔

یہ سب قریش کے نمائندے اور صاحبِ حل و عقد ہیں۔ یہ سب دارالندوہ میں نئی دعوت کے پھیلاؤ کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور کہتے ہیں:

اب تو ہر روز اس گروہ میں نئے لوگ شامل ہو رہے ہیں۔ اس معاملے پر اب خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی۔

سب سرداروں کو اس (نبی ﷺ) سے بات کرنے کے لیے جمع کیا جائے۔ عبداللہ بن امیہ اس کا پھوپھی زاد ہے، اسے سفیر بنایا جائے۔

عبداللہ بن امیہ نبی ﷺ کے پاس گیا اور کہا کہ تمام سردار دارالندوہ میں جمع ہیں اور آپ کو یاد کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بے رخی اختیار نہیں فرمائی بلکہ آپ فوراً یہ سوچ کر تشریف لے گئے کہ شاید میری دعوت کے حوالے سے انھوں نے کچھ اچھا ارادہ کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ

ان سرداروں کے مسلمان ہو جانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، آپ ﷺ ان کی بھلائی چاہتے تھے اور ان کی مخالفت آپ کو شاق گزرتی تھی۔ اسی لیے آپ ﷺ تشریف لے گئے۔

وہ سردار کہنے لگے: اے محمد! (ﷺ) ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ سے ہم بات کریں۔ اللہ کی قسم! ہماری قوم میں آپ جیسا شخص کبھی نہیں آیا۔

آپ نے ہمارے آباء واجداد کو گمراہ قرار دیا، ہمارے بزرگوں کے دین کو عیب دار گردانا، ہمارے پروردگاروں کا مذاق اڑایا اور ہمارے سمجھ دار بے وقوف کہلائے، ہماری جمعیت بکھر گئی۔ اب کیا بری چیز باقی رہ گئی جو آپ ہمارے لیے نہ لائے۔

اگر آپ (ﷺ) نے یہ سب کچھ دولت حاصل کرنے کے لیے کیا ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ قریش کے سب سے زیادہ مال دار بن جائیں۔

اگر آپ نے یہ سب کچھ شرف وعزت کے حصول کے لیے کیا ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔

اگر آپ (ﷺ) نے یہ اس لیے کیا کہ آپ پر کسی بڑے جن نے غلبہ پا لیا ہے تو ہم آپ کے علاج معالجے کے لیے اپنی دولت لگانے کے لیے تیار ہیں......

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے بارے میں جو تمھیں کہنا تھا کہہ چکے، میں تمھارے پاس دولت حاصل کرنے، سرداری یا بادشاہی لینے کے لیے نہیں آیا بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے مجھ پر ایک کتاب بھی اتاری ہے، اس نے مجھے تمھارے

لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے تو اپنے رب کے تمام پیغام تم سب تک پہنچا دیے ہیں اور تمھاری بھلائی کی تمنا کی ہے۔ جو میں لایا ہوں اگر تم مان لو تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارا اپنا نصیب ہے اور اگر تم نہیں مانو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اور میرے درمیان کوئی فیصلہ کر دے۔''

ابوجہل گویا ہوا: اے محمد (ﷺ)! جو پیش کش ہم نے کی ہے اگر آپ وہ نہیں مانتے تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارا راستہ پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، ہم سب تنگ معاش والے ہیں اور ہماری گزران انتہائی مشکل ہے، آپ اپنے اس رب سے سوال کریں جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے کہ وہ ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے، ہمارا راستہ پھیلا دے اور ہمارے لیے اس میں عراق اور شام کی طرح نہریں جاری کر دے اور ہمارے بڑے گزرے ہوئے بزرگوں میں کسی کو ہمارے پاس بھیج دے بلکہ وہ قصی بن کلاب کو بھیج دے کیونکہ وہ سب سے سچا بزرگ ہے۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ آپ کی دعوت سچی ہے یا جھوٹی۔ اور اگر اس نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارے تمام مطالبے پورے کر دیے تو ہم آپ کا اللہ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے وہ بھی جان لیں گے اور یہ بھی مان لیں گے کہ اس نے واقعی آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ ''میں ان کاموں کے لیے تو نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو صرف وحی لے کر آیا ہوں جو پیغام اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے وہ میں نے تم تک پہنچا دیا۔ اگر تم اس کو مان لو گے تو وہ تمھارا دنیا و آخرت کا نصیب ہوگا، اور اگر تم انکار کرو گے تو میں اللہ کی طرف سے ہونے والے فیصلے تک صبر کروں گا۔''

ابوسفیان بن حرب نے (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا: جو ابوالحکم (ابوجہل)

نے کہا ہے، وہ اگر آپ نہیں کر سکتے تو اپنے لیے اپنے رب سے مانگیے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتہ بھیج دے جو اُس بات کی تصدیق کرے جو آپ کہتے ہیں اور آپ کی طرف سے ہمیں قائل بھی کرے۔ اور اللہ سے مانگ کہ وہ تیرے لیے باغوں کی شادابی اور سونے چاندی کے خزانے مہیا کر دے اور ہم جو آپ کو بازاروں میں کاروبار کرتے دیکھتے ہیں اور آپ ہماری طرح طرز معاش اپناتے ہیں اس سے آپ کو بے پرواہ کر دے یہاں تک کہ ہم آپ (ﷺ) کی فضیلت پہچان لیں اور آپ کا اپنے رب کے ہاں مقام و مرتبہ دیکھ لیں، اگر آپ اس کے رسول ہیں جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں......۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تو یہ کام نہیں کرنے والا، نہ میں ایسی چیزیں اپنے رب سے مانگنے والا ہوں، نہ میں اس کام کے لیے بھیجا گیا ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

ولید بن مغیرہ بولا: اے بھتیجے! جو مشورہ ابوالحکم (ابوجہل) نے دیا وہ بھی آپ نے تسلیم نہ کیا اور جو پیشکش ابوسفیان نے کی اس پر بھی آپ (ﷺ) نے قناعت اختیار نہیں کی۔ اور آپ کے ہاتھ میں ایسا کوئی حل نہیں جس سے ہم راضی ہو جائیں اور آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہم پر آسمان گرا دیجیے جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، رہے ہم تو ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے گا تو تمہارے لیے ایسا ہی کرے گا۔

اب نضر بن حارث بولا: اے محمد! (ﷺ) کیا آپ کا رب ہماری آپ کے ساتھ ہونے والی اس مجلس کو نہیں جانتا، جو ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں یا جو ہم آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ پس اسے چاہیے کہ وہ آگے بڑھے، ہم جو آپ سے بحث و تمحیص کر رہے ہیں اس کا جواب سکھائے اور آپ کو اس بارے میں بھی خبر دے کہ وہ ہمارے لیے کیا کرنے والا ہے جبکہ آپ جو کچھ لائے ہیں، ہم اسے نہیں مانتے......۔

عقبہ بن ربیعہ نے کہا: ہمیں پتہ چلا ہے کہ یمامہ کا ایک شخص تمھیں کلام سکھاتا ہے، اس کا نام رحمان ہے۔ اللہ کی قسم! جو تم لائے ہو ہم اسے کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ہم نے تمھارے سامنے اپنے عذر پیش کر دیے ہیں۔

اسی موقع پر امیہ بن خلف نے کہا: اے محمد! (ﷺ) اللہ کی قسم! کچھ بھی ہو جائے ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے حتی کہ ہم ہلاک ہو جائیں یا تم ہمیں برباد کر دو یا ہمیں چھوڑ دو، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم تمھیں اپنے شہر میں آزاد چھوڑ دیں۔ ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

آخر میں شیبہ بن ربیعہ بولا: اے محمد! ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تم فرشتوں اور اللہ کو ہمارے سامنے لے آؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے پہچان لیا کہ یہ سب خیر کے طلب گار نہیں۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ عبداللہ بن امیہ بھی کھڑا ہو گیا، یہ آپ کا پھوپھی زاد تھا، یہ کہنے لگا:

اے محمد! (ﷺ) آپ کی قوم نے آپ کے سامنے چند معروضات پیش کیں آپ نے انھیں قبول نہیں فرمایا۔ انھوں نے آپ سے اپنے لیے کچھ چیزیں طلب کیں تاکہ

آپ کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ دیکھیں اور آپ کی تصدیق و اتباع کریں۔ آپ نے اسے بھی تسلیم نہ کیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ آپ اپنے لیے اپنے رب سے مانگیں تاکہ وہ آپ کی اللہ کے ہاں منزلت کی معرفت پائیں اور آپ پر ایمان لے آئیں، آپ نے ایسا بھی نہیں کیا۔ پھر عبداللہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا حتی کہ آپ میرے سامنے سیڑھی کے ذریعے آسمان پر چڑھ جائیں اور پھر آپ کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ آپ کے برحق سچے ہونے کی گواہی دیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا بھی کیا تب بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

رسول اللہ ﷺ پریشان اور غمگین حالت میں اپنے گھر لوٹے۔ آپ ﷺ کی قوم کے ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ مقدسہ نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝﴾

''اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے یا تیرے لیے کھجوروں اور انگور کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسے تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔'' [1]

[1] بني إسرائيل 17:90-92، و تفسير ابن كثير: 350/4.



ذیلی فائدے

قبل از اسلام عرب ایک جنگجو قوم تھی۔ تاریخ کا جائزہ لینے والا خوب جانتا ہے کہ عرب کی تاریخ لڑائیوں اور مسلسل جنگوں سے پُر ہے۔ اسی وجہ سے جب وہ اپنے بچوں کی پرورش کرتے تو انھیں جنگی تربیت دیتے۔ وہ انھیں بچپن ہی سے جنگی آلات کے استعمال کا عادی بناتے، انھیں گھڑ سواری کی تربیت دیتے حتی کہ جب وہ ان فنون میں نام کما لیتے اور لڑائی کے لیے بلایا جاتا تو بلا تفریق بڑے چھوٹے سب اس میں شریک ہوتے اور کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ جب کوئی معرکہ ختم ہوتا تو کچھ مخصوص قبائل کے ان تمام مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو اسلحہ اٹھانے کے قابل ہوتے تھے۔

جب اسلام آیا تو جزیرۃ العرب کے بہادروں کو ایک طاقتور لشکر میں بدلنے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک ایسے طاقتور لشکر میں جو توحید کا علم اٹھائے ہوئے ہو اور اسلام کے پرچم کو دنیا میں لہرانے کے عزم سے سرشار ہو۔ تاکہ ساری انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے روشناس کرایا جائے اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر وحدہ لاشریک اللہ کی غلامی میں لایا جائے۔

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ایک ایسا وسیع مقام بن گیا جہاں رجال کار اور بہادر افراد جمع ہوتے، وہ اصولِ جنگ سے واقفیت پاتے، جنگ کی ٹریننگ حاصل کرتے اور لڑائی کے بہت سے اسلوب سیکھتے۔ ان کی محنت اور کوشش سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے طاغوتوں کو روندا اور بڑے سرکش اور جابر لوگوں کا گھیراؤ کیا۔ یہ لوگ دعوت حق کے پھیلاؤ میں رکاوٹ تھے اور عوام کو نئے دین پر چلنے سے روکے ہوئے تھے۔

اسلام کا لشکر جب اپنی شان و شوکت کو پہنچا تو وہ زمین کے بڑے حصے پر ایک عظیم قوت کے طور پر سامنے آیا۔ اس نے روم و فارس کے لشکروں کو جس طرح روندا، تاریخ اس پر حیران ہے۔ مسلمانوں کی انتہائی تیز فتوحات کے بارے میں ایک مؤرخ نے تو یہ بھی کہا ہے: ''زمین ان کے قدموں تلے سکڑ جاتی ہے۔'' اور اس نے سچ کہا ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی تبلیغ دین کے لیے زبردست قوت اور مصمم ارادوں کے سامنے زمین کی وسعتیں تنگ ہوگئیں، دوسرے الفاظ میں ان کے سامنے کوئی شہر باقی نہ رہا کہ جس کی طرف وہ اپنا رخ موڑیں، حتی کہ مسلمانوں کے قائدین کو کہنا پڑا: ''اگر مجھے پتا ہو کہ اس سمندر کے پار ایسی قوم آباد ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتی اور محمد ﷺ کی تصدیق نہیں کرتی تو میں ان کے لیے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیتا۔''

اوائل اسلام میں پہلے لشکر والے یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے تھے کہ انھیں فتح چاہیے یا شہادت، جیسے جیسے ہم اسلام کے شروع والے زمانے کے قریب ہوتے جائیں گے تو ہم دیکھیں گے کہ مسلمان سخت لڑائی والی جگہ، شوقِ شہادت یا قتال کی غرض سے اس لیے کود پڑتے تھے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر کا کلمہ نابود ہو جائے۔

عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر فتح

مکہ کے موقع پر ایمان لائے لیکن جیسے ہی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کلمۂ توحید پڑھا تو ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ جاہلیت کے تمام جنگی قاعدے، قوانین اور رسوم وعادات یکسر باطل ہو گئیں۔

طائف کے محاصرے کے دوران جب جنگ ہوتی تو عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ لڑائی کی جگہ کود پڑتے اور ان کے سورماؤں اور بہادروں کو یوں قتل کرتے گویا کہ وہ کاٹنے والی تلوار ہیں اور اب وہ کفر و جہالت کے ڈھیر زمین پر باقی نہیں رہنے دیں گے۔

سیدنا عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ اپنے عزم اور ارادے پر ڈٹے رہے۔ انھیں لوہے کی گرم سلاخیں، مضبوط قلعے، اونچے اونچے حصار اور رکاوٹیں جو لشکر اسلام کے راستے میں تھیں، ان کے ارادے سے ہٹا نہ سکیں۔ ان کے قلب و ذہن میں صرف ایک ہی جذبہ تھا اور وہ یہ کہ اللہ کے کلمہ کی نشر و اشاعت کی راہ میں جو بھی دیوار آئے اسے منہدم کر دیا جائے تاکہ یہ کلمہ ان لوگوں تک پہنچے جن تک ابھی دعوت اسلام نہیں پہنچی یا دعوت تو پہنچی ہے لیکن ظالم و جابر ان کے لیے رکاوٹ اور مصیبت بن کر سامنے آ گئے ہیں۔

بس کچھ لمحات ہی گزرے ہوں گے کہ میدان کارزار میں سیدنا عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ شاید اس لیے کہ مسلمانوں کا فاتح لشکر انھیں اور ان جیسے دوسرے بہادروں کی لاشوں کو پل بنا کر آگے بڑھ جائے۔

آہ! اب ان عظیم لوگوں کی اولاد کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے باپ دادا کے راستے پر نہیں چلتے؟

کیا ہو گیا ہے ان مسلمانوں کو کہ وہ پوری زمین میں ایک کمزور جماعت سمجھے جا رہے ہیں یا قافلے میں سب سے پیچھے رہ گئے ہیں اور (ظلم و ستم کی) آندھیاں انھیں

پنج پنج کر مار رہی ہیں؟

یہ مسلمان کیوں سستی کا شکار ہوئے کہ قافلے میں سب سے پیچھے ہیں؟

ایک اعرابی سے پوچھا گیا: ''تمھیں کیا پسند ہے؟ اللہ تعالیٰ سے ظالم بن کر ملنا چاہو گے یا مظلوم؟'' اس نے جواب دیا: ''میں ظالم بن کر ملنا پسند کروں گا۔''

پوچھا گیا: ''تیرا برا ہو، کیوں؟''

اعرابی: ''اس وقت میرا کیا عذر ہوگا جب اللہ تعالیٰ کہے گا: میں نے تجھے مضبوط اور طاقتور پیدا کیا تھا تو تو کیوں مضبوط اور سخت نہ ہوا؟'' گویا اس اعرابی کا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ تھا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

''جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں، تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''[1]

کیا آج ایسے بہادر آدمیوں کی اولاد ان یہودیوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئی ہے جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

[1] النسآء 4:97.

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ ﴾

''تم اور تمھارا رب دونوں جا کر لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔'' [1]

یہ مسلمان ان بزدلوں کے سامنے کیوں ڈرپوک بن گئے ہیں، آخر کیوں انھیں دیکھ کر فرار ہو رہے ہیں اور اپنی زمین اور گھر ان کے حوالے کرتے جا رہے ہیں؟

کیا یہ یہودی اب بہادر اور قوی ہو گئے ہیں؟

اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اب مسلمان مسلمان نہیں رہے، لہٰذا یہ بزدلی اور کاہلی کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ بعض یہودیوں کی نظر میں جنگلی جانور اور مینڈک بن چکے ہیں۔ تیو دور ھرتزل اپنی کتاب ''الدولة اليهودية'' میں لکھتا ہے:

''ہمارے ذہنوں میں یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے شہر کو نقصان دہ جانوروں سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تلوار اٹھا کر اکیلے اکیلے نہیں لڑیں گے بلکہ ہم ایک مضبوط اور تباہ کن اجتماعی حملہ کریں گے۔ ہم ان حیوانوں کو بھگا دیں گے۔ کوئی بھی حکومت زبردست کوشش کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔''

اہل عرب اور دوسرے مسلمان ان جیسی باتوں سے کب سبق حاصل کریں گے؟ انھیں کب غیرت آئے گی؟ اور کب وہ اپنی زندگی اور ریاستوں کی تشکیل نو کریں گے؟

ایسا کب ہوگا؟ ہم انتظار میں ہیں۔

---

[1] المآئدة 24:5

دسویں آیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"[1]



[1] البقرة 2:232.



نزول آیات کے متعلق علمائے کرام کے اقوال

مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، دیکھیے:

① تفسير الطبري: 19/5.

② أحكام القرآن: 174,173/1.

③ الدر المنثور: 287/1.

④ صحيح البخاري، حديث: 4529.

⑤ السنن الكبرىٰ للبيهقي: 103/7 و 138.

⑥ كتاب الأم للشافعي: 11/5 و 128 و 149.

⑦ أسباب نزول القرآن للواحدی، ص: 75,74.

آیئے! معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ کون تھے؟

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔

عظیم مجاہد ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھا۔

ایسے مومن کہ ایمان دل کی گہرائیوں تک سرایت کر چکا تھا جس سے ان کی زندگی ایک تابناک ستارے کی طرح روشن ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہمیشہ راضی تھے، سرور و اطمینان ان کے چہرے سے ٹپکتا تھا۔

ان کے دل تک معرفت اسلام کس طرح پہنچی؟

کس نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور معالم ایمان سے روشناس کیا اور یہ سب کب ہوا؟

اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

البتہ مسلمانوں کے خطرناک حالات میں سے ایک موقع پر ان کا کردار تاریخ میں مذکور ہے اور وہ ہے بیعت رضوان کا موقع۔

بیعت رضوان کے موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی، روح و جان قربان کرنے کی بیعت کی، انھوں نے اپنی روحیں، اپنی جانیں اور مال اللہ کے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیے اور اس معاوضے اور قیمت



پر قناعت کر لی جو ان کے رب نے ان کے لیے پسند فرمائی تھی اور وہ ہے اللہ کا قرب اور ہمیشہ کے لیے جنت کا حصول۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے۔ زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

تاہم لڑائی اور جنگ کا معاملہ پیش نہ آیا اور قریش کے ساتھ صلح پر بات ختم ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''علی! لکھو'' ''بسم اللہ الرحمن الرحیم.''

سہیل بن عمرو، جو قریش کی طرف سے صلح کی شرائط طے کرنے آیا تھا، اس نے کہا: میں اسے نہیں جانتا، تم بس «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» لکھو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''«بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ہی لکھ دو۔

[1] التوبة 111:9.

پھر رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”آگے لکھو: یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی ہے۔“

سہیل کہنے لگا: اگر میں گواہی دیتا کہ تم اللہ کے رسول ہو پھر تو جھگڑا ہی نہ ہوتا، تم اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”لکھو:

یہ وہ عہد نامہ ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے پایا ہے۔ دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ اس عرصے میں لوگ امن کے ساتھ رہیں گے۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے ساتھ جاملا تو وہ اسے واپس کر دیں گے اور اگر محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی قریشی قریش کے ساتھ جاملا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ کسی قسم کی چوری یا خیانت نہیں کریں گے۔ اگر کوئی محمد ﷺ کا حلیف بننا چاہے تو بن سکتا ہے اور اگر چاہے تو قریش کے ساتھ مل جائے۔“

بنو خزاعہ نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے عقد اور ان کے عہد میں شامل ہیں۔

بنو بکر نے کہا: ہم قریشیوں کے حلیف بنتے ہیں۔

مزید لکھا گیا:

”اس سال محمد ﷺ اور اس کے ساتھی واپس چلے جائیں گے اور مکہ میں داخل نہیں ہوں گے، آیندہ سال آسکتے ہیں۔ ہم مکہ سے نکل جائیں گے اور آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صرف تین دن تک ٹھہریں گے، اپنے ساتھ ضروری اسلحہ لا سکتے ہیں، تلواریں میان میں لے کر آئیں گے، ضروری اسلحے کے علاوہ اپنے

ساتھ کچھ نہیں لائیں گے۔"[1]

ابھی عہد نامہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ہیں۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ مومن تھے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر اپنے دین اور ایمان کو بچانا چاہتے تھے۔

سہیل بن عمرو نے دیکھتے ہی انھیں پکڑ لیا اور انھیں مارنے پیٹنے لگا اور کہا:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے آنے سے پہلے ہمارے اور آپ کے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سچ ہے۔"

سہیل بن عمرو ابوجندل رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا تھا اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے:

"اے مسلمانوں کی جماعت! کیا مجھے مشرکین کی طرف واپس لوٹا رہے ہو کہ وہ مجھے میرے دین کے بارے میں آزمائش میں ڈالیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوجندل! صبر کرو اور نیکی کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ ضرور تیرے لیے اور تیرے دوسرے کمزور ساتھیوں کے لیے کوئی راستہ اور کشادگی کی راہ نکالے گا۔ ہمارے اور قریش کے درمیان عقد ہو چکا ہے اور ہم نے اس پر اللہ کا عہد دیا ہوا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کو دھوکہ دیں۔"[2]

اس سارے قضیے میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا کیا کردار تھا؟

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اس صلح میں موجود تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں

[1] البداية والنهاية: 4/191. [2] البداية والنهاية: 4/191.

نے بیعت کی تھی، صلح سے پہلے انھوں نے جنگ کی خوب تیاری کر لی تھی، زرہ زیب تن کر لی تھی اور تلوار بھی نکال لی تھی صرف رسول اللہ ﷺ کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی اور صلح طے پا گئی۔

تحریر معاہدہ کے دوران میں انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر سورج اپنی گرم شعاعیں ڈال رہا ہے اور آپ ﷺ کو گرمی محسوس ہو رہی ہے، وہ فوراً گئے اور ایک گھنے درخت کی ٹہنی کاٹ کر لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے سائے کا سامان کیا۔ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لیے سایہ کر کے کھڑے رہے حتی کہ معاہدہ مکمل ہوا اور رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ معاہدہ طے پانے کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے اور اپنے صحابہ کو یہود خیبر کے خلاف غزوے کی تیاری کا حکم دیا۔

خیبر پہنچنے پر سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، وہ آپ ﷺ کے فرامین بڑی توجہ سے سن رہے تھے، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ غیر کی کھیتی کو پانی دے۔“ [1]

یعنی استبرائے رحم سے پہلے حاملہ لونڈیوں سے ہم بستری نہ کرے۔

”کسی شخص کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ مناسب نہیں کہ مال فے کے جانوروں میں سے کسی پر سواری کرے حتی کہ جب اسے کمزور کر دے تو واپس کر دے۔“ [2]

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 2158. [2] سنن أبي داود، حديث: 2159.

''کسی مومن کے لیے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، جائز نہیں کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی کپڑے کو پہنے اور جب بوسیدہ اور پرانا ہو جائے تو واپس کر دے۔''

یہ وہ آداب حرب و جنگ ہیں جن کا لحاظ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ یہ انسانیت کی خوبصورت ترین صفات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اپنانے کا حکم دیا تھا۔ عزت و ناموس کا احترام کرنا ہے۔ چاہے دشمن ہی کی ہو۔

دوسروں کی عزت پامال نہیں کرنی، چاہے وہ اللہ کے راستے سے روکنے والے کیوں نہ ہوں۔

کسی قسم کی خیانت اور بددیانتی نہیں کرنی اور نہ ہی اپنے حق سے زیادہ لینا ہے۔

شریعت اسلام میں معرکہ و جنگ کے بھی اصول وضوابط ہیں جن کا پاس کرنا لشکری اور کمانڈر دونوں پر لازم ہے۔ جب انسان ان اصول و قواعد کا احترام نہ کرے اور حد سے بڑھ جائے تو وہ نظام جماعت سے خارج ہو جاتا ہے اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

کیا سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے یہ خوبصورت فرمان سننے کے بعد ان کا احترام کرتے رہے؟

جی ہاں! تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ایک اصول پسند لشکری، ماہر جنگجو، معزز اور نہایت ہی متدین انسان تھے، انھوں نے ہمیشہ دین کی حدود کا خیال رکھا۔

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگوں میں شرکت کی۔

آپ اس لشکر میں بھی شامل تھے جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح ایران کے لیے روانہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لشکر کے ذریعے سے ایران فتح کرایا تھا اور اس کے علاوہ بھی بہت سے معرکوں میں مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بصرہ میں مقیم رہے۔ وہاں پر انھوں نے اپنا ایک گھر بھی تعمیر کیا۔ بصرہ کی نہر معقل بھی انھی کے نام سے منسوب ہے۔

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مسلمانوں کی طرف سے ایک خط آیا جس میں یہ خبر تھی کہ عجمی نہاوند میں ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کر چکے ہیں، ان کا مقصد مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

''آج کا دن نہایت اہم دن ہے اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ان دو شہروں کے وسط میں رہوں، پھر میں انھیں کوچ کا حکم دوں۔ میں ان کی پشت پناہی کرتا رہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عنایت کردے اور جس چیز کو میں پسند کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا کر دے۔''

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اے امیر المومنین انھی امور نے آپ کو حکیم (دانا) بنادیا ہے، آپ کو کافی تجربہ ہے۔ آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں، اس معاملے کو آپ اپنی رائے کے مطابق حل کریں، آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اطاعت کریں گے۔ آپ ہمیں بلائیں، ہم لبیک کہیں گے۔ آپ ہمیں سوار ہونے کا حکم دیں، ہم سوار ہونے

کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہماری قیادت کریں، ہم آپ کی قیادت میں لڑنے کے لیے مستعد ہیں۔ آپ ہمارے امیر ہیں، آپ ہمیں پہلے بھی آزما چکے ہیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''اے امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ اہل شام کو لکھیں، وہ شام سے روانہ ہوں۔ اسی طرح اہل یمن کو دعوت دیں، وہ وہاں سے روانہ ہوں، پھر آپ اہل حرمین کو لے کر کوفہ اور بصرہ کو رخت سفر باندھیں، وہاں آپ مشرکین کے ساتھ جنگ کریں۔ اس طرح آپ کی تعداد دشمن کی تعداد سے زیادہ ہوگی اور آپ دفاعی لحاظ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوں گے۔ اے امیر المومنین! واقعتاً یہ اہم دن اور اہم معاملہ ہے، آپ ضرور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس میں حصہ لیں، آپ کو پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔''

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''اے امیر المومنین! اگر آپ اہل شام کو جنگ میں شریک کریں گے تو رومی ان کے اہل خانہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے اہل یمن کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی تو اہل حبش ان کے پیچھے سے حملہ کر سکتے ہیں۔ اگر اس سرزمین کے لوگ جنگ میں شریک ہوں گے تو اطراف و اکناف کے لوگ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ آپ کو اپنے سامنے کے حالات سے زیادہ ان معاملات کی فکر لاحق ہوگی جنھیں آپ پشت پر غیر محفوظ چھوڑ کر آئے ہوں گے۔ ان سب لوگوں کو اپنے اپنے علاقے ہی میں رہنے دیجیے اور اہل بصرہ کو لکھ بھیجئے کہ وہ

تین حصوں میں ہو جائیں۔ ایک گروہ اپنے اہل خانہ میں رہے، ایک گروہ اپنے اہل معاہدہ کے ساتھ رہ کر یہ دھیان رکھے کہ وہ بدعہدی نہ کر پائیں اور ایک گروہ کوفے میں اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے روانہ ہو جائے۔ کل عجم والے آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے: یہ امیر المومنین اور عرب کے سردار ہیں، اس لیے وہ آپ پر حملہ آور ہونے کے شدید حریص ہوں گے، (لہٰذا آپ پیچھے رہ کر جنگی اقدامات کریں تو زیادہ مناسب ہوگا)۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اچھی رائے ہے۔ میں اسی مشورہ پر عمل کرنا پسند کرتا ہوں۔ [1]

لیکن پھر مسلمانوں کے لشکروں کی قیادت کون کرے گا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے آدمیوں کی خصوصیات سے مکمل باخبر تھے، ان کے نزدیک قیادت و سیادت کا زیادہ حق دار وہ تھا جو زیادہ پرہیز گار اور خشوع و خضوع والا ہو، نماز میں بھی اور جملہ امور میں بھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابھی اس کے بارے میں غور و فکر کر رہے تھے کہ ایک دن آپ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص بڑے انہماک اور خشوع سے نماز پڑھ رہا ہے، جسمانی لحاظ سے بڑا افٹ نظر آ رہا تھا، مضبوط بازو اور لمبا قد واضح طور پر معلوم ہو رہا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کون شخص ہے؟'' بتایا گیا کہ یہ نعمان بن مقرن ہیں۔ آپ نے فرمایا: انھیں میرے پاس لاؤ۔ جب وہ سامنے بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا: میں نے آپ کو ایک عظیم مہم کے لیے منتخب کیا ہے۔

انھوں نے عرض کی: اے امیر المومنین! اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ میں صدقات جمع کروں تو میں یہ کام احسن انداز سے سرانجام نہیں دے سکوں گا اور اگر آپ مجھے جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کے لیے چن رہے ہیں تو آپ کا انتخاب اچھا ہے۔''

[1] الکامل لابن الأثیر: 8/3، البدایة والنهایة: 119/7.

امیر المومنین نے عرض کی: بلکہ میں آپ کو جہاد کے لیے پسند کرتا ہوں، چنانچہ آپ نے انھیں نہاوند جانے والے اسلامی لشکر کا امیر مقرر کر دیا۔[1]

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے درج ذیل حضرات کو کمانڈر کے طور پر لیا:

① نعیم بن مقرن

② حذیفہ بن الیمان

③ معقل بن یسار

④ قعقاع بن عمرو

⑤ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہم

یہ کمانڈرز اپنے اپنے لشکروں کو لے کر جہاد کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہو گئے، ہر امیر کے ساتھ ایک ہزار فوجی تھے۔ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اور ان کے دلوں میں ایمان بھرتے ہوئے آئے۔ تمام مجاہد اپنے مضبوط جسموں، بہادر دلوں اور سنہری تلواروں کے ساتھ آئے۔ ان کے دلوں میں دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کا شوق تھا تاکہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں، یعنی یا تو شہادت ملے یا پھر دین کی نصرت کر کے غازی بن کر لوٹیں۔

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اپنے چیف کمانڈر سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، نعمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دین اور لشکر کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت کی۔ اور پھر انھیں حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ مقدمہ میں رہیں۔

میدان کارزار میں پہنچنے کے بعد نعمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا حکم دیا: وضو کرو تاکہ

[1] الكامل لابن الأثير: 9/3.

دشمن سے جنگ آزما ہونے سے پہلے نماز ادا کر لی جائے، چنانچہ نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد انھوں نے کہا: میں دعا مانگتا ہوں، تم ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا۔ انھوں نے دعا مانگتے ہوئے کہا:

''اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو آج فتح کے ذریعے سے میری آنکھیں ٹھنڈی فرما، ایسی فتح جس سے اسلام کو عزت نصیب ہو اور تو مجھے شہادت نصیب فرما۔''

سب نے اکٹھے آمین کہا۔

پھر وہ اپنے مورچے میں آئے، انھوں نے تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہا۔ تمام مجاہد چاق چوبند بیٹھے تھے، چنانچہ نعمان رضی اللہ عنہ نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں نے بڑے صبر اور جذبے سے مقابلہ کیا۔ عجمی شکست کھا گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور آخر میں نعمان رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر گئے۔

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نعمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ زمین پر زخمی ہو کر گرے پڑے تھے، میرے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا، میں نے پانی کے ذریعے سے ان کا منہ مٹی سے صاف کیا تو نعمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا نتیجہ رہا؟''

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا ہے۔ انھوں نے کہا: ''الحمد للہ'' اس کے بعد ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ [1]

---

[1] الکامل لابن الأثیر: 3/19، 20.

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو اپنے دوست اور کمانڈر کی شہادت کا بہت دکھ ہوا کیونکہ ارضِ فارس پر ابھی ان کی قیادت کی ضرورت تھی لیکن ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور ان کے ساتھی کو تو اللہ تعالیٰ نے رتبۂ شہادت سے نوازا ہے۔ (معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے سوچا)۔

نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک اور معرکہ ہوا جو ارض اصفہان پر ہوا۔ اس واقعے کو معرکۂ اصفہان بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس میدان میں بھی فتح حاصل ہوئی۔ اسلامی لشکر وہاں سے ''جَیّ'' کی طرف بڑھا۔ یہ علاقہ بغیر جنگ اور لڑائی کے فتح ہو گیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا کیا کردار سامنے آیا؟

کیا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں عامل بنایا؟ یا وہ عثمان رضی اللہ عنہ پر دھاوا بولنے والوں میں شامل تھے؟ یا فتنے سے بچنے کے لیے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے تھے؟ تاریخ اس کے بارے میں مکمل خاموش ہے، البتہ تاریخ میں یہ مذکور ہے کہ جنگ صفین جو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین ہوئی تھی، اس میں معقل رضی اللہ عنہ کنانہ، اسد، تمیم، رباب اور مزینہ قبائل کی قیادت کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ یہ تمام قبائل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی تھے۔ معرکے کے اختتام پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ غالب آئے اور مخالفین کو شکست ہوئی۔

اس معرکے میں سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بڑے ہولناک مناظر دیکھے۔ انھوں نے تو اپنی تلوار جہاد فی سبیل اللہ اور کفر کے طاغوتوں کے لیے تیار کر رکھی تھی۔ اب یہ کیا کہ ان کی تلوار ایسے لوگوں پر اٹھ رہی ہے جو لا إله إلا الله کا اقرار کرتے ہیں، یعنی اپنے ہی مومن بھائیوں کے خلاف جنگ ہوگی۔ انھوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا۔

پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ انھیں اپنا نیزہ کند کر دینا چاہیے، اپنی تلوار دفن کر دینی چاہیے حتی کہ اسے مٹی اور زنگ کھا جائے۔

چنانچہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور اس مصیبت کے زائل ہونے کا انتظار کرنے لگے جس سے مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی تھی لیکن یہ عرصہ طویل سے طویل ہوتا گیا۔ مصیبت کی رات ختم ہوئی نہ خوشخبری کے ساتھ صبح نمودار ہوئی۔

بلآخر سانس کم پڑ گئے، رفیق اعلیٰ کی ملاقات کا وقت قریب آ گیا جس نے مومنوں سے ہمیشہ کی جنت کا وعدہ کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری ایام میں بصرہ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ [1]

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ یزید بن معاویہ کے دور میں فوت ہوئے تھے۔

---

[1] الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 1433/3.

نزولِ آیات کے اسباب

یونس بن عبید کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“[1]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا تھا، انھیں معقل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص سے کر دیا تھا۔ اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی۔ جب اس کی عدت پوری ہوگئی تو وہ خاوند پھر نکاح کا پیغام لے کر آ گیا، میں نے کہا: ”میں نے تجھے اپنی بہن کا نکاح دیا، تجھے عزت دی، پھر تو نے اسے طلاق

[1] البقرة 2/232.

دے دی، اب پھر نکاح کرنا چاہتا ہے۔ نہیں، اللہ کی قسم! اب تمھارے ساتھ نکاح دوبارہ نہیں ہوگا۔“

معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص بہت اچھا تھا، اس میں کوئی عیب نہیں تھا، میری بہن بھی چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح ہوجائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی، میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! اب میں یہ شادی ہونے دوں گا۔ میں نے اس کے ساتھ دوبارہ اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔“ [1]

عباد بن راشد حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میری بہن کے لیے ایک رشتہ آیا، میں بہت سے لوگوں سے انکار کر چکا تھا، یہ رشتہ میرے ایک چچازاد بھائی کا تھا۔ میں نے ”ہاں“ کردی اور اس کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کردی۔ اس نے میری بہن کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا جتنا اللہ کو منظور تھا، پھر اس نے طلاق دے دی، یہ طلاق رجعی تھی۔ جب رجوع کی عدت ختم ہوگئی تو وہ پھر نکاح پر آمادہ ہوگیا۔ میں نے اس سے کہا: میں نے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر تیرے ساتھ اس کی شادی کی تھی لیکن تو نے اسے طلاق دے دی اور رجوع بھی نہیں کیا حتی کہ جب عدت ختم ہوگئی ہے تو اب آگیا ہے کہ میں اس کی شادی پھر تم سے کردوں! نہیں، میں اب ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں۔“ [2]

[1] صحيح البخاري، حديث: 5130. [2] البقرة 2:232.

معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنی بہن کا نکاح دوبارہ اسی کے ساتھ کر دیا۔

مبارک بن فضالہ حسن سے بیان کرتے ہیں کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی شادی کسی مسلمان سے کی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اسے طلاق دے دی اور رجوع بھی نہ کیا اور یوں عدت ختم ہوگئی۔ عدت کے ختم ہونے کے بعد عورت آزاد تھی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ پہلے خاوند نے بھی نکاح کا پیغام بھیجا۔ عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئی تھی لیکن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ غصے ہو گئے اور کہا:

"میں نے تجھے عزت دی تھی لیکن تو نے اسے طلاق دے دی۔ اب اللہ کی قسم! میں دوبارہ اپنی بہن کے ساتھ تیری شادی نہیں کروں گا، کبھی بھی نہیں۔"

حسن فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جان لیا تھا کہ اب مرد اور عورت دونوں کی خواہش ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

فرماتے ہیں کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو بھی اس آیت کا علم ہوا تو کہا: میں اپنے رب کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا، چنانچہ انھوں نے اپنی بہن کے سابقہ خاوند کو بلایا اور کہا: "میں تیرے ساتھ اس کی شادی کرتا ہوں اور تجھے عزت دیتا ہوں۔" لہٰذا انھوں نے دوبارہ نکاح کر دیا۔ [1]

[1] تفسیر الطبري: 19/5، والدر المنثور: 287/1۔



ضمیمہ

اسلام میں خاندان اور کنبہ ہی وہ فطری مقام ہے جہاں پر بچوں کی جسمانی، عقلی اور روحانی پرورش وافزائش ہوتی ہے۔

تمام جانداروں سے بڑھ کر انسانی بچے کا عہد طفولیت لمبا ہوتا ہے کیونکہ عہد طفولیت ہی وہ مرحلہ ہے جس کے اندر ہر زندگی پانے والے کے مطلوب کردار کی تدریب اور تیاری ہوتی ہے۔

چونکہ انسان کا وظیفہ اور کردار تمام جانداروں سے زیادہ اہم ہے، اس لیے تمام دوسرے جانداروں کے مقابلے میں اس کے بچپن کا عرصہ زیادہ لمبا ہے تاکہ وہ اپنے مستقبل کے فرائض اور واجبات کے لیے خوب تیاری کرلے۔ اسی لیے دوسرے حیوانوں کے مقابلے میں انسانی بچے کو اپنے والدین کی شفقت و دیکھ بھال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ عملی تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خاندان اور والدین سے بڑھ کر کوئی بھی کسی بچے کی کما حقہ تربیت نہیں کرسکتا بلکہ دوسروں کی سرپرستی میں بے شمار مفسدات اور نقصانات کا امکان ہوتا ہے۔

اگر اس کی اتنی اہمیت ہے تو کیا اسلام نے اس کا اہتمام کیا ہے؟

گھر اور خاندان ہی وہ فیکٹری اور کارخانہ ہے جس میں جوانمرد اور بہادر تیار ہوتے ہیں۔

کتاب اللہ کا مطالعہ کرنے والے کے لیے یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ اسلام نے کتنی مضبوط بنیادوں پر خاندان کے قیام کا حکم دیا ہے۔ ایک بہترین اور اچھے خاندان کے قیام کے لیے سب سے پہلا جو حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ شادی کے بندھن میں مرد اور عورت دونوں مومن ہونے چاہئیں۔ اور اس بات سے قطعی طور پر منع کر دیا کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایسا ہو جو دین اسلام کو قبول نہ کرتا ہو یا اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

”اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمھیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“ [1]

[1] البقرة 2:221.

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تائید میں فرمایا:

''چار خوبیوں کی بنا پر عورت سے شادی کی جاتی ہے: اس کے مال و دولت کی وجہ سے، اس حسب ونسب کی وجہ سے، حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کے دیندار ہونے کی وجہ سے۔ اللہ تمھارا بھلا کرے! دین والی کو اختیار کر کے کامیابی حاصل کرو۔'' [1]

گویا خاندان کے ارکان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور معرفت الٰہی پر قائم ہونا ازحد ضروری ہے کیونکہ ایمان ہی وہ واحد چیز ہے جو گھر میں پیدا ہونے والی پریشانیوں اور مصیبتوں کی تلافی کرسکتا ہے۔ صرف شادی ہی محبت ومودت کا ذریعہ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔'' [2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾

[1] صحیح مسلم، حدیث:1466. [2] النسآء 4:1.

''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت سے خاوند بیوی کے مقدس رشتے کی حکمت کا پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میاں بیوی دونوں کو ایسا بنا دیتا ہے کہ دونوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ دونوں شخصیات اپنی فطری، نفسیاتی، عقلی اور جسمانی ضروریات کو بڑی خوشی سے پورا کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی قربت سے راحت، اطمینان، محبت و مودت محسوس کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں اپنی ضروریات ایک دوسرے کے تعاون ہی سے پورا کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ مرد اور عورت اسی بابرکت بندھن میں پرو دیے جاتے ہیں تاہم دونوں میں موافقت قائم نہیں ہو پاتی بلکہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

اس صورت حال میں کیا کیا جائے؟

طلاق اور جدائی واقع ہوگی، طلاق تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند ہے، اس لیے طلاق کو اس وقت اختیار کیا جائے جب کوئی اور چارہ کار نہ ہو۔

زوجین کے اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝﴾

[1] الروم 21:30

”اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبردار ہے۔“ [1]

اسلام اس آخری حربے، یعنی طلاق تک پہنچنے سے پہلے اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جھگڑے کی صورت میں میاں اور بیوی کے گھر والوں سے ایک ایک فیصل مقرر کیا جائے جو ان کے درمیان حق کا فیصلہ کریں اور انھیں راضی کرنے کی کوشش کریں۔

یہ فیصل مکمل طور پر یک طرفہ ہوکر، اپنے ذاتی اشتعالات سے دور رہ کر اور ذہنی خرابیوں سے بالاتر ہو کر فیصلہ کریں۔ کیونکہ یہ وہ خرابیاں ہیں جو زوجین کے پاک صاف تعلق کو گدلا کر دیتی ہیں، زندگی کی فضا کو آلودہ کر دیتی ہیں۔ فیصلہ کرنے والے دونوں خاندانوں کی نیک نامی ہی کو سامنے رکھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں پر شفقت کرتے ہوئے ان کی معصومیت کو سامنے رکھیں، میاں بیوی میں سے کسی کی طرف داری نہ کریں۔

زوجین، بچوں اور ان کے مقدس رشتے کی خیر خواہی مطلوب ہو۔ جب یہ تمام تر کوششیں ناکام ثابت ہوجاتی ہیں تو طلاق ہوجاتی ہے۔

پہلی طلاق تو میاں بیوی کے لیے ایک تجربہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ ہمارے جدا اور اکٹھے رہنے میں کتنا فرق ہے۔

جب عدت کے دوران میں ان دونوں کے لیے واضح ہوجائے کہ ان کا اکٹھے رہنا ممکن ہے تو دونوں کے لیے راستہ کھلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] النسآء 4:35.

﴿ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾

"اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت) میں لوٹا لیں۔" [1]

آیت میں مذکور ﴿ فِیْ ذٰلِكَ ﴾ کے الفاظ سے عدت کا عرصہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" [2]

اچھائی، بھلائی اور خوبصورتی زندگی کے ہر موڑ میں نمایاں نظر آنی چاہیے، خواہ میاں بیوی کا مقدس رشتہ برقرار ہو یا ٹوٹ چکا ہو۔

تکلیف اور ایذا ہرگز نہ پہنچائی جائے۔ حالت طلاق اور جدائی میں بھی ایمان باللہ اور ایمان آخرت کا بلند معیار اسی طرح برقرار رہنا چاہیے۔

[1] البقرۃ 2:228. [2] البقرۃ 2:232.

دوسری طلاق دوسرا تجربہ اور آخری امتحان ہوتا ہے۔ اگر تو اس مرحلے میں اصلاح کر لیں تو بعد کی زندگی بہتر ثابت ہو سکتی ہے اور اگر اس دورانیے میں بھی اصلاح نہ ہو سکے تو پھر تیسری طلاق ہوتی ہے اور یہ طلاق اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ آئندہ یہ میاں بیوی ایک ساتھ ہنسی خوشی نہیں رہ سکتے۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں ثابت پر کسی برے اخلاق یا دین کا کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں، (یعنی میں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی کیونکہ میں اسے پسند نہیں کرتی اور اسی وجہ سے میں اس کی فرماں برداری بھی نہیں کرتی جو کہ گویا کفر ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو اسے اس کا باغ واپس کرے گی؟'' اس نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باغ واپس لے لے اور عورت کو طلاق دے دے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ ابو جریر نے عکرمہ سے پوچھا: کیا خلع کی کوئی دلیل ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: اسلام میں سب سے پہلا خلع عبداللہ بن ابی کی بہن نے لیا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے اور میرے خاوند کے درمیان ہم آہنگی نہیں ہو سکتی۔ اس کا رنگ کالا سیاہ ہے، قد بہت چھوٹا ہے اور بہت ہی بدصورت ہے۔

اس کے خاوند نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے اپنی محبوب ترین جائیداد دی تھی اور وہ باغ تھا۔ اگر یہ مجھے میرا باغ واپس کر دے تو میں سوچتا ہوں۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 5273.

آپ ﷺ نے عورت سے پوچھا: ''تم کیا کہتی ہو؟''

اس نے کہا: ہاں، ٹھیک ہے بلکہ اگر چاہے تو میں زیادہ دینے کے لیے تیار ہوں،

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان جدائی کا فیصلہ سنا دیا۔[1]



[1] تخریج أحادیث الکشاف، حدیث:144.

رجالِ قرآن

جن کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا



آج کے اس پُرفتن دور میں جبکہ نوجوان نسل بتدریج اسلام سے دور ہورہی ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت پڑھائیں، نوجوان نسل کو بتائیں کہ ان کے اخلاق وکردار کیسے تھے اور انھوں نے اسلام کے لیے کتنی قربانیاں پیش کیں۔

"رجالِ قرآن" کے فاضل مؤلف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کا اسلوب بیان بڑا عمدہ ہے۔ انھوں نے بالکل کہانی کے انداز میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اس کتاب میں بیان کی ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ ان کفار اور منافقین کے بارے میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا، کتاب میں موجود واقعات تاریخ کی مستند کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان واقعات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں میں ہمارے لیے دروس ہیں۔

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ